اسلامی معلومات

آسان زبان میں اسلامی، تاریخی،
اور مذہبی باتوں کا دلچسپ حال

نظر زیدی

احسن برادرز چوک انارکلی لاہور

بار اوّل   سنہ ۱۹۹۴ء

قیمت   تین روپے

شیخ ریاض ہمایوں نے نقوش پریس میں چھپوا کر
احسن برادرز۔ انارکلی لاہور سے شائع کی

فہرست

۷

آپس کی باتیں

اس کتاب میں ہم نے کچھ ایسی باتیں اکٹھی کر دی ہیں جو ہر ایک مسلمان بچے کو لازمی طور پر معلوم ہونی چاہئیں۔ مفید اور ضروری ہونے کے علاوہ یہ باتیں حد سے زیادہ دلچسپ بھی ہیں۔

تمام عقل والے عالم یہ بات مانتے ہیں کہ ہمارا مقدس مذہب اسلام شروع زمانے سے ہے۔ اس وقت سے اب تک جو تاریخی شخصیتیں گذری ہیں مسلمانوں نے جو خاص کام کئے ہیں اور اسلام کی جو خاص خاص باتیں ہیں ان میں سے اکثر کا حال آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

یہ مضمون بہت پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے یہ دعویٰ تو کسی طرح بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ساری باتیں جمع کر دی گئی ہیں یا ان کا پورا پورا حال لکھ دیا گیا ہے اس چھوٹی سی کتاب کو ایسا مکمل بنانا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا نہ کوئی ایک آدمی

یہ کام پورا کر سکتا ہے ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جان پہچان کے طور پر ایسی بہت سی باتیں درج کر دی ہیں جن کا حال جاننا ہر مسلمان بچے کے لئے ضروری ہے۔

مسلمان بچوں کے علاوہ اس کتاب کو دوسری قوموں کے وہ اچھے بچے بھی اپنے لئے فائدہ مند اور دلچسپ پائیں گے جو ہر چیز کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنی اس معمولی سی کوشش کے بارے میں ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک اسے مقبول بنائے اور اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اچھائی پھیلے ؎

نظر زیدی
(۲۲، دسمبر ۵۵ء)

نولکھا پارک، لاہور

ملکِ عرب

(آپ سب جانتے ہیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب ہی میں پیدا ہوئے۔ آپ ہی کی وجہ سے یہ ملک دنیا بھر میں مشہور ہوا ورنہ پہلے اس کی حیثیت بالکل معمولی تھی۔

عرب ایک جزیرہ نما ہے 'جزیرہ نما اس ملک کو کہتے ہیں جس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہو جس کے چاروں طرف سمندر ہو اسے جزیرہ کہتے ہیں۔

عرب کے مغرب کی طرف بحیرۂ احمر، مشرق کی طرف بحر عمان اور خلیج فارس اور جنوب کی طرف بحیرۂ ہند ہے۔

یہ ملک لمبائی میں ۱۰۰۰ میل اور چوڑائی میں ۶۲۲ میل ہے اس حساب سے اس کا کل رقبہ ۱۰۶۶۰۰ مربع میل بنتا ہے۔ ملک فرانس سے مقابلہ کریں تو یہ رقبہ اس سے چھ گنا زیادہ بڑا ہے۔[1]

عرب کا زیادہ علاقہ ریگستان ہے۔ جہاں نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے نہ لیتیاں

---

[1] تمدن عرب۔ از ڈاکٹر لیبان

آباد کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ریگستان میں پانی بہت کم ہوتا ہے۔ اب اللہ پاک نے اس ملک کے رہنے والوں پر یہ مہربانی کی ہے۔ کہ اس ریتلی زمین میں ہی تیل کے چشمے ظاہر کر دیے ہیں جن کی وجہ سے وہاں کی حکومت کو بہت زیادہ آمدنی ہوتی ہے)

(اور ملکوں کی طرح ملک عرب بھی کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے ایک جسے کہ یمن کہتے ہیں۔ دوسرے کہ حجاز اور تیسرے کو نجد۔ مکہ۔ مدینہ۔ طائف۔ ریاض اور صنعا اس ملک کے مشہور شہر ہیں۔ ریاض نجد کا دارالحکومت ہے۔ حجاز اور نجد پر سعودی خاندان حکومت کرتا ہے)

نجد اس ملک کا درمیانی علاقہ ہے جس کے معنی بلند کے ہیں۔

عرب میں دریا اور چشمے تو کم ہی ہیں لیکن پہاڑوں کے کئی سلسلے ہیں زیادہ پہاڑ ایسے ہیں جن پر نہ درخت ہیں نہ جڑی بوٹیاں اور گھاس۔

سب سے اونچی پہاڑی چوٹی ۲۷۳۰ فٹ بلند ہے۔

(اس ملک کا یہ نام کیوں مشہور رہا۔ اس کے بارے میں دو باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ نام لفظ عاربہ سے نکلا ہے جس کے معنی صحرا کے ہیں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ نام لفظ غرب سے بنا ہے۔ تاریخ لکھنے والے عالموں نے بتایا ہے جو قبیلے دریائے فرات کے غرب یعنی مغرب کی طرف آباد ہوتے انہیں غربا کہا جاتا تھا۔ یہی لفظ آگے چل کر عرب بن گیا تھا)

اسلام

اسلام اس مذہب کا نام ہے جس پر ہم مسلمان چلتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ کوئی نیا راستہ نہیں بلکہ سچائی کا وہی قانون ہے جس پر دنیا کے تمام شریف لوگ چلتے آئے ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی رسول اور نبی آئے وہ سب اسلام ہی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ اللہ کے ان مبارک بندوں کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

اسلام کے معنی سلامتی کے راستے کے ہیں۔ یہ مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اللہ پاک کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کریں۔ یہ ایمان رکھیں کہ وہی ہماری موت اور زندگی اور بھلے برے کا مالک ہے۔ عزت، ذلت اور روزی سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اس عقیدے کو توحید کا عقیدہ

کہتے ہیں اور یہ ہمارے مذہب کی بنیاد ہے۔

انسان کو دنیا میں کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ اس کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جتنی بھی اچھی باتیں ہیں ہمیں انہیں اختیار کرنا چاہیئے اور جتنے بھی برائی کے کام ہیں انہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔

نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکواۃ اور جہاد اسلام کے خاص ارکان ہیں۔ ان کاموں کو کرنا ضروری ہے۔ جو کوئی جان بوجھ کر ان میں سے کسی فرض کو چھوڑ دیتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا ؂

نماز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ پاک کی عبادت کرنے کا نام نماز ہے۔ عربی زبان میں اس عبادت کو صلوٰۃ کہتے ہیں جس کے معنی جلادینے کے ہیں۔ کیونکہ یہ گناہوں کو جلا دیتی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ نماز بے حیائی اور گناہوں سے بچائے گی۔

اسلام نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ قرآن شریف میں اس عبادت کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ نماز بالغ مردوں اور عورتوں دونوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے یا اس کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

روزہ

ہر بالغ اور تندرست مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رمضان
شریف کے مہینے میں سورج نکلنے سے لے کر سورج ڈوبنے کے وقت
تک کھانا پینا بند رکھے۔ اور جن دوسری باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان
سے رکا رہے۔ اس عبادت کو روزہ کہتے ہیں۔ رمضان شریف کے دنوں
کے علاوہ بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ اسے نفلی روزہ کہتے ہیں۔

زکواۃ

جو مسلمان اتنے امیر ہیں۔ کہ اپنے ضروری خرچ پورے کرنے کے بعد سال کے آخیر میں ان کے پاس اتنی قیمت کا مال بچ رہتا ہے جس سے ۵۲½ تولے چاندی یا ۷½ تولے سونا خریدا جا سکے ان کے لئے ضروری ہے کہ اس مال کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر اسلامی حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیں۔ اس محصول کو زکواۃ کہتے ہیں۔ اگر اسلامی حکومت کی طرف سے ایسا انتظام نہ ہو تو یہ روپیہ خود اچھے کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے۔

عہ مولانا اشرف علی تھانوی

حج

جو مسلمان زکواۃ ادا کرتے ہوں انہیں شریعت کی زبان میں صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہو جائے جس سے اپنے خاندان کے لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام کر کے مکہ معظمہ تک کا سفر کرنے اور وہاں اور ضرورتیں پوری ہونے کا انتظام ہو سکے ان کے لئے ضروری ہے کہ زندگی میں ایک بار کعبہ شریف کی زیارت کو جائیں اور ذوالحجہ کے مہینے میں وہ باتیں پوری کریں جنہیں حج کے مناسک کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ایک بار سے زیادہ یہ سفر کرے تو اس کے لئے زیادہ ثواب ہے۔ حج کرنے کے بعد انسان کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صرف وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جو کسی بے گناہ انسان کو ستانے یا اس کا حق دبا لینے کی وجہ سے اس کے نام لکھے جاتے ہیں۔

جہاد

اپنے آپ کو ہر طرح اچھا بنا لینے کے علاوہ اللہ پاک نے ہر مسلمان کے لئے یہ بات بھی ضروری قرار دی ہے۔ کہ وہ دوسروں کو نیک اور اچھا بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ دنیا سے ظلم کو مٹانے اور نیکی کو پھیلانے کی کوشش کرے۔

اس مبارک کوشش کو جہاد کرنا کہتے ہیں۔ یہ زبان سے بھی ہو سکتا ہے (اچھی بات کہہ کر اور بری باتوں سے روک کر) قلم سے بھی ہو سکتا ہے اور تلوار سے بھی۔

تلوار سے جہاد کرنا صرف اس صورت میں درست ہے جب مسلمانوں کا امیر حکم دے۔ امیر کے لئے ضروری ہے جب کبھی ایسا موقع پیش آئے۔ اپنے عقل والے ساتھیوں کو پاس بٹھا کر ساری باتوں پر غور کرے۔ اور پھر مخالفوں کو باقاعدہ اس بات کی اطلاع دیدے۔ کہ اگر تم نے اپنی برائیوں اور ظلم سے توبہ نہ کی تو ہم تمہارے اوپر چڑھائی کر دیں گے۔

جہاد میں اِس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی عورت، بچے، بوڑھے یا بے گناہ آدمی کو مسلمان مجاہدوں کے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچے۔ نہ دشمنوں کے عبادت خانے، باغ اور کھیت برباد کئے جائیں۔ اِس کے علاوہ یہ نیت ہو کہ یہ لڑائی ہم مال و دولت اکٹھا کرنے کے لئے نہیں لڑ رہے بلکہ اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔

جزیہ

جزیہ ایک خاص قسم کے ٹیکس کو کہتے ہیں۔ یہ ٹیکس ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے جو لڑائی میں مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور یہ اقرار کریں کہ اپنے مذہب پر چلتے ہوئے بھی ہم امن اور انصاف کی زندگی گذاریں گے۔

ایسے لوگوں کو ذمی کہا جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کی عزت آبرو اور جان و مال کی حفاظت کریں۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمان کسی قوم سے یونہی لڑائی نہیں چھیڑ سکتے۔ نہ دوسرے ملکوں کے غیر مسلموں کو ذمی کہہ سکتے ہیں مسلمانوں کی لڑائی صرف ان لوگوں سے ہے جو دنیا میں برائی پھیلا رہے ہوں۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کو جنگ کی جگہ جہاد کہا گیا ہے۔ اور ذمی صرف وہ لوگ کہلاتے ہیں جو تلوار لے کر مسلمانوں سے لڑ سکتے ہوں۔ لیکن لڑنے کی جگہ امن سے رہنا پسند کریں۔

ہمارے رسولؐ

(ہم مسلمان دنیا کے کسی حصے میں بھی رہتے ہوں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے آپؐ کے ذریعے بھلائی پر چلنے کے وہ سارے اصول انسانوں تک پہنچا دیے ہیں جن کی ضرورت تھی۔

ہمارے حضورؐ مکّہ میں رہنے والے ایک عزت والے قبیلے قریش میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؐ کے والد صاحب کا نام حضرت عبداللہ اور والدہ صاحبہ کا نام حضرت آمنہ ہے حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جو قریش کے سب سے بڑے سردار تھے۔ عیسوی سن کے حساب سے آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے۔

جس وقت آپ دنیا میں تشریف لائے آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ یتیمی کی حالت میں پہلے دادا صاحب نے پرورش کیا پھر پیارے

چچا حضرت ابو طالب کے گھر رہے۔

۲۵ سال کی عمر میں آپؐ نے قریش کی ایک عزت والی خاتون حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی کی۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔

۴۰ سال کی عمر ہوئی تو وحی لے کر آنے والے فرشتے حضرت جبریلؑ کی معرفت اللہ پاک نے یہ اچھی خبر بھیجی۔ کہ آپ کو رسول بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ حکم دیا۔ کہ جو لوگ سچائی کا راستہ چھوڑ کر برے کاموں میں پھنس گئے ہیں انہیں سیدھے راستے کی طرف بلایئے!

اللہ پاک کے اس حکم کے مطابق حضورؐ ۲۳ سال تک تبلیغ کرتے رہے، دین کی اچھی باتیں دوسروں تک پہنچانے کو تبلیغ کہتے ہیں۔ لوگوں کی بھلائی کا یہ کام کرتے ہوئے آپ کو بہت سی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ کے دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو شہید کر دینے کا مشورہ کیا۔ لیکن اللہ نے ان کے اس ارادے کی پہلے سے خبر دے دی اور حکم دیا کہ یہ شہر چھوڑ کر اب آپ مدینہ چلے جایئے!!

مدینہ میں رہنے والے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگ بہت اچھے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے حضور صلعم اور آپ کے

ساتھ آنے والے مسلمانوں کی بہت زیادہ مدد کی۔ ان لوگوں کو انصار کہتے ہیں۔ جو مسلمان اپنا پرانا وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے۔ انہیں مہاجرین (ہجرت کرنے والے) کہتے ہیں۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنا ایمان بچانے کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جائے۔

اللہ پاک کا وعدہ ہے جو کوئی نیکی کے راستے پر چلے اسے دنیا میں کامیابی دی جاتی ہے۔ اس وعدے کے مطابق تھوڑے دنوں میں مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مکہ شہر فتح کر لیا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد عرب کے بہت سے قبیلے مسلمان ہو گئے اور ایک بڑی اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

جس وقت ہمارے حضور کی عمر شریف ۶۳ سال ہوئی تو اللہ کے گھر سے بلاوا آ گیا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ ۴۰ سال سے ۶۳ سال تک کل ۲۳ سال کے تھوڑے سے عرصے میں آپ نے اتنا بڑا کام کیا کہ کفر کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔ بتوں کی جگہ اللہ پاک کا نام پکارا جانے لگا اور ہر آدمی عزت اور آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

اس وقت سے اب تک جہاں کہیں بھی اسلام کے اصولوں پر عمل کیا گیا۔ لوگوں کو سچا امن اور انصاف ملا۔ انسانی نسل پر ہمارے

حضورؐ کا یہ اتنا بڑا احسان ہے۔ کہ سب کو آپ کا شکر گذار رہونا چاہئے
اور عزت کے ساتھ یاد رکھنا چاہئے ۔

صحابی

عربی زبان میں صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کی صحبت میں بیٹھتا ہو۔ لیکن اب یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کی اچھی باتوں کو مان کر ہمارے حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے اور ہر کام میں آپ کی مدد کرتے تھے۔

ہمارے حضورؐ کے صحابی دو گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک مہاجر دوسرے انصار۔ مہاجر انہیں کہتے ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔ اور انصار ان کا نام پڑا جنہوں نے مہاجروں کی مدد کی۔ انصاری کے معنی مدد کرنے والے یا دوست کے ہیں۔

خلفائے راشدین

عربی زبان میں خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ ہمارے حضورؐ کے انتقال کے بعد جن بزرگوں نے اسلامی حکومت کا کام چلایا انہیں خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ ان کی گنتی چار ہے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، دوسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تیسرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور چوتھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

ان چاروں کے بعد خلافت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اگرچہ دوسرے حاکم بھی اپنے آپ کو خلیفہ ہی کہتے رہے۔ لیکن انہوں نے بادشاہوں کے سے طریقے اختیار کر لئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا ایک آدھ ہی اللہ کا بندہ ایسا ہوا جس نے اسلام کے حکم کے مطابق حکومت کی۔

غزوہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ پاک نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی ظالم حاکم بے گناہوں کو ستا رہا ہو یا کوئی تمہارے اوپر حملہ کرے تو تم ادسے کر اس کا مقابلہ کرو۔ اس حکم کے مطابق ہمارے حضورؐ نے کافروں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ ان میں جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، جنگ خیبر اور فتح مکہ خاص طور پر مشہور رہیں۔

اسلامی تاریخ میں ان لڑائیوں کو غزوات بھی کہا جاتا ہے۔ غزوات لفظ غزوہ کی جمع ہے اور غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور صلعم خود شریک ہوئے ہوں اور اپنے آپ جنگ کا نقشہ بنایا ہو۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سریہ

سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود شرکت نہ کی ہو بلکہ اپنے صحابہ میں سے تھوڑے سے آدمیوں کو کافروں کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیج دیا ہو۔

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ نام مدینہ شریف کی اس مقدس مسجد کا ہے جس کے بنانے میں خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے بڑے صحابہ نے حصہ لیا تھا۔ جب کافروں کی دشمنی کی وجہ سے ہمارے حضورؐ کو اپنا پرانا وطن مکہ چھوڑنا پڑا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے اللہ پاک کی عبادت کرنے کے لئے ایک مسجد تعمیر کی۔

جس زمین پر یہ مبارک مسجد بنائی گئی وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ انہوں نے کہا ہم اس کی قیمت نہیں لیتے۔ لیکن حضور صلعم نے یہ بات منظور نہ فرمائی۔ باقاعدہ قیمت ادا کر کے مسجد بنانے کا کام شروع کیا۔

اب تو خدا کے فضل سے یہ مسجد ایسی شاندار ہے کہ اُسے دنیا کی بڑی بڑی عمارتوں میں گنا جاتا ہے۔ اس کی شان و شوکت اور خوبصورتی کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں سعودی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عرب کے سلطان نے اس کی مرمت کرائی تو اس پر تقریباً ایک ارب روپیہ خرچ کیا گیا۔ لیکن شروع میں یہ مقدس مسجد ایسی نہ تھی۔ اس کی دیواریں کچی تھیں اور کھجور کے پتوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے جب کبھی زور کی بارش ہوتی تھی تو مسجد کے اندر کیچڑ ہو جاتی تھی اور نمازیوں کو گیلی زمین پر ہی نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔

تعمیر کے وقت ہمارے آقا اور اللہ پاک کے سچے رسول اپنے مبارک ہاتھوں سے گارا وغیرہ اٹھا کر لاتے تھے اور دیواریں اٹھانے والے صحابہ کو دیتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

صلی اللہ علیہ وسلم

بعد میں جب اسلامی سلطنت خوب مضبوط ہو گئی اور دُور دُور کے ملکوں میں رہنے والے مسلمان اس مبارک مسجد کی زیارت کے لئے آنے لگے تو آس پاس کے مکانات خرید کر اور ان کی زمین شامل کر کے اُسے بڑا کیا گیا۔ یہ کوشش کئی بار کی گئی۔ آخری اضافہ حال ہی میں اس وقت کیا گیا جب سلطان ابن سعودؒ نے اپنی خاص نگرانی میں اس کی مرمت کرائی۔ اب اس کا رقبہ ۱۶۳۲۱ میٹر ہے۔ ایک نیا دروازہ بھی بنایا گیا ہے جس کا نام باب النساء ہے۔ اس طرح مسجد کے دروازوں کی گنتی نو اور چھت کو سہارا دینے والے ستونوں کی ۲۲۴ ہو گئی ہے۔

ؔ روزنامہ نوائے وقت لاہور

منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[illegible]

ممبر اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر چڑھ کر مسجد کا امام
خطبہ دیتا ہے۔ ہمارے حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد بننے کے چار
سال بعد لکڑی کا ایک ممبر بنایا گیا تھا۔ جس بڑھئی نے یہ ممبر بنایا تھا
اس کا نام میمون رومی تھا۔ ۶۵۴ھ میں آگ لگنے کا حادثہ پیش آیا
تو یہ مبارک ممبر ضائع ہو گیا ۞

ستونِ حنّانہ

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضور صلعم کے مبارک زمانے میں مسجد کی چھت کو سہارا دینے کے لئے کھجور کے تنے کا ایک ستون لگایا گیا تھا۔ ہمارے حضورؐ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ کی پشت مبارک اس ستون سے لگی ہوتی تھی۔ اس ستون کا نام ستون حنّانہ تھا۔

گنبدِ خضرا

جو لوگ مدینہ شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں انہیں دُور ہی سے ایک بہت بڑا سبز گنبد دکھائی دیتا ہے۔ یہ مقدس گنبد جس کا نام گنبدِ خضرا ہے ہمارے آقا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ مبارک پر بنایا گیا ہے۔

اللہ کے رسولوں کے بارے میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ جس جگہ ان کا انتقال ہوتا تھا انہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا تھا۔ ہمارے حضورؐ نے اپنی پیاری بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر وصال فرمایا تھا۔ اِس لئے آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

یہ گنبد اور مزارِ مبارک کی چار دیواری حد سے زیادہ خوبصورت ہونے کے علاوہ بے حد مضبوط ہے۔ اس کی بنیادوں میں کافی نیچے تک دھات بھر دی گئی ہیں۔ یہ کام ایک نیک دل بادشاہ نورالدین زنگی نے کیا تھا

اور اس احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ اس کے زمانے میں بُرے خیال کے دو عیسائیوں نے یہ کوشش کی کہ زمین کے اندر ہی اندر سرنگ نکال کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک تک پہنچ جائیں اور آپ کے جسدِ اطہر کو نکال کر لے جائیں۔

یہ برے آدمی بھیس بدل کر مدینہ آگئے اور مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے عبادت کا ڈھونگ رچائے رکھتے اور رات بھر سرنگ کھودتے لیکن اللہ کے سچے رسول کی شان میں وہ ایسی گستاخی کس طرح کر سکتے تھے!

ایک رات حضورؐ نے سلطان نور الدین زنگیؒ کو یہ بشارت دی کہ ان برے آدمیوں کو یہ گستاخی کرنے سے روکو! خواب میں اُن کے مکان کا پتہ بھی بتایا گیا اور ان کا حلیہ بھی دکھا دیا گیا۔

صبح کو جاگتے ہی نیک دل سلطان نے تحقیق کرنے کا حکم دیا اور جو باتیں بتائی گئی تھیں وہ ساری سچ ثابت ہوئیں۔ انہیں گرفتار کر کے سخت سزا دی گئی۔ اور پھر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ کوئی بھی مزار مبارک تک نہ پہنچ سکے۔

کعبہ شریف

کعبہ شریف جس کی طرف منہ کر کے ہم سب نماز پڑھتے ہیں۔ دنیا بھر میں وہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اللہ پاک کی عبادت کرنے کے لئے بنائی گئی۔ سب سے پہلے اسے حضرت آدم علیہ السلام نے تیار کیا تھا۔

حضرت آدمؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب لوگوں نے سچائی کا راستہ چھوڑ دیا اور بتوں اور چاند ستاروں وغیرہ کی پوجا میں لگ گئے تو اس مسجد کی دیواریں گر گئیں اور رفتہ رفتہ اس کا نشان بھی مٹ گیا۔

عزت والے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس مبارک مسجد کو دوبارہ بنایا۔ یہ واقعہ اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے کا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو عمارت بنائی تھی وہ ۹ گز اونچی۔ ۳۲ گز لمبی اور ۲۲ گز چوڑی تھی۔ نہ اس کے اوپر چھت ڈالی گئی تھی نہ کواڑ

لگائے گئے تھے۔

سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے جب یہ عمارت اچھی حالت میں نہ رہی تو ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت قصیّ بن کلاب نے اُسے گرا کر دوبارہ بنایا۔ اور اب اس کے اوپر کھجور کی لکڑی کے تختوں کی چھت بھی ڈالی گئی۔

چوتھی بار خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ عمارت بنائی گئی کیونکہ ایک سال پانی کا سخت سیلاب آیا اور حضرت قصیّ کی بنائی ہوئی دیواریں پھٹ گئیں۔ اس وقت ہمارے حضور کو نبوت نہ ملی تھی۔

پانچویں بار اللہ کے اِس عزت والے گھر کو بنی امیہ کے زمانے میں بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج بن یوسف کی فوجوں میں لڑائی ہوئی تو حجاج نے کعبہ شریف پر بھی آگ برسائی۔

کعبہ شریف کی موجودہ عمارت

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی حکومت قائم کی تھی جب اس کی طاقت بڑھی اور مسلمانوں نے مصر، ایران، شام، افریقہ، اندلس، افغانستان اور ہندوستان وغیرہ بہت سے ملکوں کو فتح کر لیا اور روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی تو کعبہ شریف کی عمارت کو بھی بڑھایا گیا اور اسے خوب سجایا گیا۔

کعبہ شریف کی اصلی عمارت تو اتنی ہی ہے لیکن اس کے صحن کو بہت بڑھایا گیا ہے۔

تمدن عرب نام کی کتاب کے لکھنے والے فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب میں کعبہ شریف کی موجودہ عمارت کا حال لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:-

"کعبہ شریف کی موجودہ عمارت سوا تیرہ گز اونچی، چھ گز لمبی اور چار گز

چوڑی ہے اور اسے چکنے پتھر سے بنایا گیا ہے۔ اندر جانے کے لیئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور یہ بالکل تنگ ہے۔ اس کی چوکھٹ زمین سے سوا دو ہاتھ اونچی ہے۔ صرف حج کے زمانے میں سیڑھی لگائی جاتی ہے۔

اندر کا فرش سنگ مرمر یعنی سفید رنگ کے قیمتی پتھر کا ہے دیواریں کتبوں سے سجائی گئی ہیں۔ دیواروں پر نہایت قیمتی اور خوشنما پتھروں کا استر لگایا گیا ہے۔ مغرب کی طرف والی دیوار میں چاندی کی چھ محرابیں جڑی ہوئی ہیں۔ یہ محرابیں جو ان آدمی کے قد کے برابر اونچی ہیں۔ اور ان میں سونے اور چاندی کے پھول جڑے ہوئے ہیں۔ درمیان میں کالے رنگ کی مینا کاری ہے۔

کعبہ شریف کی دیواروں کو زمین سے لے کر سوا گز کی اونچائی تک اصلی حالت میں رکھا گیا ہے یعنی ان پر استر کاری نہیں کی گئی۔ اس کے اوپر نہایت عمدہ پھول بنائے گئے ہیں۔ جسے گلکاری کہتے ہیں۔ دیواروں کے باہر سنگ اسود یعنی سیاہ پتھر جڑا ہوا ہے ؛

کعبہ شریف کا غلاف

کعبہ شریف کی پوری عمارت پر نہایت قیمتی کپڑے کا غلاف پڑا رہتا ہے۔ ۱۹۶۲ء تک یہ غلاف ملک مصر کی حکومت کی طرف سے تیار کرایا جاتا تھا۔ اور اسے نہایت شان کے ساتھ مکہ شریف بھیجا جاتا تھا اس کے جلوس میں مصر کی حکومت کے بڑے بڑے افسر پیدل چلتے تھے جب اس ملک پر بادشاہ کی حکومت تھی خود بادشاہ بھی پیدل ساتھ چلتا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں سعودی عرب کی حکومت نے یہ غلاف پاکستانی کاریگروں سے بنوایا۔

کعبہ شریف کا غلاف زمین سے کئی ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور اس طرف سے کھلا رہتا ہے جس طرف حجرِ اسود جڑا ہوا ہے۔ حج کے دنوں میں ایک سنہری پٹکا باندھا جاتا ہے جس کے اوپر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کعبہ

شریف کی عمارت پر غلاف چڑھانے کا رواج نہ تھا۔ سب سے پہلا غلاف یمن کے ایک بادشاہ اسعد تبع حمیری نے چڑھایا جو قیمتی چادروں سے تیار کیا گیا تھا۔

حضور صلعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا حضرت قصیٰ بن کلاب نے غلاف تیار کرنے کے لئے عرب قبیلوں پر ایک خاص ٹیکس لگا دیا تھا۔

حضور صلعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک زمانے میں یمنی چادروں کا غلاف ہی چڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قباطی نام کے قیمتی کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا اور جب بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو دیبا نام کے اور بھی قیمتی کپڑے سے تیار کیا جانے لگا۔

عباسی خاندان کے خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں کعبہ شریف کا غلاف ایک سال میں تین بار بدلا جاتا تھا۔ حج کے دنوں میں سُرخ رنگ کے دیبا کا۔ رجب میں قباطی کا۔ عید الفطر کے موقع پر سفید دیبا کا۔ آجکل غلاف کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے غلاف کی تیاری کے لئے دو گاؤں وقف کر دئے تھے یعنی ان کی ساری آمدنی اس کام پر صرف ہوتی تھی۔ ترکی کے مشہور سلطان سلیمان قانون نے چھ گاؤں اور بڑھا دئے تھے[۱]۔

---

[۱] تمدن عرب۔ از ڈاکٹر لیبان

حجرِ اسود

حجر عربی زبان میں پتھر کو کہتے ہیں اور اسود کے معنی سیاہ کے ہیں یہ نام اس مقدس پتھر کو دیا گیا ہے جو کعبہ شریف کی ایک دیوار میں لگا ہوا ہے۔

اس مقدس پتھر کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے دنیا میں بھیجا گیا تو آپ اس پتھر کو جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

جو لوگ حج کرنے کے لئے جاتے ہیں ان کے لئے اس پتھر کو چومنا ضروری ہے۔ اور اس سے اس کے مبارک اور مقدس ہونے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مکّہ معظّمہ

مکہ معظمہ ملک عرب کا مقدس شہر ہے' یہی وہ مبارک جگہ ہے جہاں ہمارے آقا اور اللہ کے سچّے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس بہت بڑی عزت کے علاوہ اس شہر کو تاریخی لحاظ سے بھی بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ تاریخ لکھنے والے عالم یہ بات بتاتے ہیں کہ ملک عرب کا سب سے پرانا شہر یہی ہے۔

مکہ معظمہ کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ کعبہ شریف کی عمارت یہیں ہے۔ کعبہ شریف کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہیں نا! یہ دنیا کی وہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اللہ پاک کی عبادت کرنے کے لئے بنائی گئی۔ اور اس کے بنانے والوں میں اللہ کے بڑے بڑے رسول شامل ہیں۔

یہ تاریخی بستی کب سے آباد ہے اس کے بارے میں تحقیق کرنے

والے عالم یہ بتاتے ہیں کہ یہ اس وقت سے آباد ہے جب تمام انسانوں کے باپ اور اللہ پاک کے سچے رسول حضرت آدمؑ دنیا میں تشریف لائے تھے۔

شیطان مردود کے بہکانے میں آکر جس وقت حضرت حوّا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس کے بارے میں انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا تو ان دونوں کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا اور سزا کے طور پر زمین کے الگ الگ حصوں میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ اتارے گئے تھے جسے آج کل سراندیپ کا جزیرہ کہا جاتا ہے۔

یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہونے کے غم میں روتے رہے اور اس بات کے لیئے توبہ استغفار کرتے رہے کہ ہم نے رب العزت کے حکم کو بھلا دیا تھا۔ آخر خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی اور انہیں اس جگہ آپس میں ملایا گیا جس جگہ شہر مکہ آباد ہے۔ اسی جگہ ان دونوں نے اپنی زندگی گذاری۔

یہ بات آپ جانتے ہی ہیں۔ زلزلوں اور طوفانوں کی وجہ سے زمین کے اندر بڑی بڑی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ انہی تبدیلیوں کی وجہ سے

یہ شہر بھی مٹ گیا۔ بہت دن بعد دوبارہ اس وقت آباد ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پیاری بیوی حضرت ہاجرہ اور عزیز بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی ایڑی رگڑنے سے اس جگہ زمزم کا چشمہ جاری ہوا تو بنی جرہم نام کا ایک بڑا قبیلہ یہاں آباد ہوگیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اِسی قبیلے میں شادی کی اور پھر یہیں آپ کی اولاد بسی اور پھلی پھولی۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے کعبہ شریف کی عمارت کو بھی دوبارہ بنایا۔

اس شہر کا یہ نام کیوں رکھا گیا! اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نام اصل میں بکہ تھا جو عربی زبان کے لفظ بکا سے نکلا ہے۔ بکا کے معنی رونے کے ہیں۔ اور یہ نام یوں پڑا تھا کہ حضرت آدم بہت زیادہ روئے تھے۔

مدینہ منوّرہ

مدینہ منورہ عرب کا مشہور متبرک شہر ہے، اس شہر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزار مبارک اور آپؐ کی بنائی ہوئی مسجد ہے جس کا نام مسجد نبوی ہے۔ جو لوگ حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ جاتے ہیں وہ مدینہ شریف بھی ضرور جاتے ہیں۔

مدینہ عرب کا بہت پرانا شہر ہے، شروع میں اس کا نام یثرب تھا۔ یہ نام عمالقہ نام کی قوم کے اس سردار کے نام پہ رکھا گیا تھا جس نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ عمالقہ ایک طاقتور قوم تھی جو حجاز سے لے کر شام اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب اس قوم کے لوگ ظالم اور بے انصاف ہو گئے تو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دوسرے نبیوں حضرت طالوتؑ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو حکم دیا کہ وہ اس کا زور توڑنے کے لیے جہاد کریں اور ان عزت والے نبیوں نے اس قوم کی سرداری کا خاتمہ کر دیا۔

عمالقہ کے بعد یثرب میں یہودیوں یعنی بنی اسرائیل کے تین قبیلے آباد ہوئے۔

(۱) بنو نضیر۔ یہ قبیلہ خیبر میں آباد تھا۔
(۲) بنو قینقاع۔ یہ قبیلہ خاص یثرب میں آباد تھا۔
(۳) بنو قریظہ۔ یہ قبیلہ فدک میں بستا تھا۔

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یثرب تشریف لائے تو آپ کے مبارک نام کی وجہ سے اس شہر کو مدینۃ النبی کہنے لگے اور یہ نام ایسا مشہور ہوا۔ کہ کسی کو اس کا پہلا نام یاد ہی نہ رہا۔

مدینہ خوب آباد اور خوشحال شہر ہے۔ اس کے رہنے والے اپنی شرافت اور مہمان نوازی کے لئے مشہور ہیں۔ ان لوگوں کی عادتیں عرب کے عام لوگوں سے بالکل الگ ہیں۔ ہر کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور نہایت تہذیب کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

مکہ مکرمہ سے شمال کی طرف چلیں تو تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر مدینہ آباد ہے۔ پرانے زمانے میں جب لوگ عام طور پر اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے یہ سفر گیارہ دن میں طے ہوتا تھا۔ گویا ہر مسافر کو گیارہ منزلوں پر رکنا پڑتا تھا آجکل مکہ اور مدینہ کے درمیان موٹریں اور لاریاں چلتی ہیں اور یہ سفر نہایت آسانی کے ساتھ اور بہت جلد طے ہو جاتا ہے[1]۔

[1] سرور کائنات

زمزم

زمزم پانی کے ایک مقدس چشمے کا نام ہے۔ یہ چشمہ مکہ معظمہ میں کعبہ شریف کی عمارت کے پاس ہے۔ اور اب اس کی صورت ایک کنوئیں کی ہے۔ یہ بات تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ کہ چشمہ پانی کی اس دھار کو کہتے ہیں جو بغیر کسی کوشش کے آپ سے آپ ابل پڑی ہو۔ زمزم کا چشمہ اسی طرح جاری ہوا تھا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے اللہ پاک نے اپنے سچے رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس جگہ جا کر چھوڑ آئیے جہاں اب مکہ شہر آباد ہے۔ اس زمانے میں یہ جگہ بالکل اجاڑ تھی۔ ریت اور جھلسے ہوئے ٹیلوں کے سوا یہاں کچھ بھی نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کے لئے پانی کا ایک

مشکیزہ چھوڑ گئے تھے۔ جب یہ پانی ختم ہو گیا اور ننھے بچے نے پیاس کی وجہ سے رونا شروع کیا تو حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑیں۔ کبھی آپ صفا نام کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھتی تھیں۔ کبھی مروہ نام کے ٹیلے پر چڑھتی تھیں۔

ریتیلے میدانوں میں دُور دُور تک پانی کا نام نشان نہیں ہوتا۔ یہی حالت یہاں تھی۔ حضرت ہاجرہ مایوس ہو گئیں لیکن اللہ کی شان نرالی ہے۔ روتے روتے حضرت اسمٰعیلؑ نے زمین پر ایڑی ماری تو پانی کا یہ چشمہ ابل پڑا۔

حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا اگر حضرت ہاجرہ اپنے ہاتھوں سے اِس پانی کو روک نہ دیتیں تو بہتا چلا جاتا۔

اب اِس چشمے کے چاروں طرف دیوار بنا کر اسے کوئیں کی شکل دے دی گئی ہے۔ دنیا کے تمام مسلمان اس کے پانی کو مقدّس خیال کرتے ہیں۔ حج کرنے جاتے ہیں تو خاص تحفے کے طور پر اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چیزوں کے نام

ملکِ عرب کے رہنے والے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے جانوروں اور استعمال کی چیزوں کے بھی نام رکھ لیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم آدمیوں کے نام رکھتے ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک زندگی میں جو چیزیں استعمال فرماتے تھے ان سب کے بھی نام تھے۔ مشہور مؤرخ طبری نے ان سب کے نام لکھے ہیں جو یہ ہیں:

جھنڈے کا نام عُقاب تھا۔

ایک تلوار کا نام مخذوم تھا۔ دوسری کا نام ذوالفقار تھا۔ یہی تلوار بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی، یہ ایک بالشت چوڑی تھی اور درمیان میں خم تھا۔ قبضے پر چاندی لگی ہوئی تھی۔ نیام کی نوک پر بھی چاندی تھی۔ اور چاندی کے دو ٹکڑے اور لگے ہوئے تھے۔

نیزے کا نام مثوی تھا۔

خنجر کا نام عنزہ تھا۔

کمان کا نام کتوم تھا۔

ترکش یعنی اس خول کا جس میں تیر رکھے جاتے ہیں۔ نام کافور تھا۔

برچھے کا نام منصاء تھا۔

ڈھال کا نام زلوق تھا۔

خود یعنی لوہے کی ٹوپی کا نام سبوع تھا۔

زرہ (لوہے کے کرتے) کا نام العفول تھا۔ اس میں دو کڑیاں زیادہ تھیں۔

ایک گھوڑے کا نام سجل اور دوسرے کا نام سبحہ تھا [illegible]

اونٹنی کا نام قصوی تھا۔ حضورؐ نے اسی پر ہجرت کا سفر کیا تھا۔ (محمد علی قصوری)

دوسری اونٹنی کا نام عضبا۔ اور تیسری کا نام جدعا تھا۔

خچر کا نام دُلدل تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا۔

گدھے کا نام یعفور تھا۔

بکری کا نام غیشہ تھا۔

پیالے کا نام ایان تھا۔ دوسرے پیالے کا نام عیر تھا۔

چھڑی کا نام مثوق تھا۔

جُبّے کا نام کُن تھا۔

عمامے کا نام سحاب تھا۔

کمربند کا نام مجگرس تھا۔ یہ چمڑے کا تھا اور اس میں چاندی کے کھٹکے لگے ہوئے تھے۔ دو تین حلقے بھی تھے۔[1]

---

[1] تاریخ طبری

حلف الفضول

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے عرب کے رہنے والے لوگوں کی عادتیں بہت بری تھیں۔ اور برائیوں کے علاوہ ان میں ایک بہت بڑی برائی یہ تھی۔ کہ وہ جس کسی کو بھی کمزور اور بے سہارا پاتے تھے۔ اس کا مال اسباب لوٹ لیتے تھے اور طرح طرح سے پریشان کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسے لوگوں کو پکڑ کر غلاموں کی منڈیوں میں بیچ ڈالتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جوانی کی عمر کو پہنچے تو آپ نے مکّہ کے رہنے والے کچھ شریف آدمیوں سے مل کر صلاح مشورہ کیا۔ کہ کسی طرح اس ظلم کو روکنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے بھی آپ کی بات کو ٹھیک مانا اور اس کے لئے تیار ہو گئے۔ کہ ایک انجمن بنا کر سب سے قول قرار لینا چاہیئے۔ وہ آئندہ کسی کو بھی ناجائز طور پر نہ ستائیں گے۔

اس انجمن کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔

حلف عربی زبان میں پکے اقرار کو کہتے ہیں۔ ایسے اقرار کو جسے کسی حالت میں بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ اور جس کا گواہ اللہ پاک کی مقدس ذات کو بنایا جاتا ہے۔ فضول؛ عرب کے رہنے والے ایسے چار بھائیوں کے ناموں کی رعایت سے کہا گیا جن کے نام صرف ف سے شروع ہوتے تھے۔ بات اصل میں یہ ہوئی تھی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قبیلہ بن جرہم کے چار آدمیوں فضل، فضال، مفضّل اور فضیل نے مل کر ایک ایسی ہی انجمن بنائی تھی۔ یہ چاروں سگے بھائی تھے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس اچھے کام کی یاد باقی رکھنے کے لئے اپنی انجمن کا بھی یہی نام رکھا۔

نبوت ملنے سے پہلے ہمارے حضورؐ کا یہ ایک بہت اچھا کام ہے جو آپؐ نے لوگوں کی بھلائی کے لئے کیا۔

قبیلۂ قریش کے لوگوں کے علاوہ قبیلۂ بنو تیم اور قبیلۂ زہرہ کے لوگوں نے اس انجمن میں شرکت کی تھی اور اس بات کا حلف اٹھایا تھا۔ کہ کمزور پر کبھی ظلم نہ ہونے دیں گے۔ اگر کوئی ظالم کسی کو ناجائز طور پر ستائے گا تو اسے سزا دیں گے[1]۔

---

[1] سرورِ کائنات۔ از سید امیر علی

جیشِ اُسامہؓ

انسانوں کی عزت بڑھانے کے لئے اسلام نے جو بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ غلاموں اور آزاد انسانوں کے درمیان جو بہت بڑا فرق تھا اُسے مٹا دیا۔ حضورؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے یہ حالت تھی کہ لونڈیوں اور غلاموں کو جانوروں سے بھی کم درجے کا خیال کیا جاتا تھا۔ اسلام نے یہ اچھا حکم دیا۔ کہ جو لوگ خدا کو ماننے والے اور نیک چلن یعنی مسلمان ہیں آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ چنانچہ اس بات کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ اسلام کی تاریخ میں ایسے بہت سے لوگوں نے بڑی سے بڑی عزت پائی جو پہلے غلام یا غلام زادے تھے۔

انہی مبارک لوگوں میں ہمارے حضورؐ کے ایک صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ کے والد حضرت زیدؓ ایک

غلام تھے۔ جب انہیں حضورؐ کی خدمت کے لئے دیا گیا تو حضورؐ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ یہی اچھا برتاؤ ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کے ساتھ کیا بلکہ انہیں تو ایک ایسی عزت دی جس کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ ان کا نام زندہ رہے گا۔

یہ واقعہ یوں ہے کہ ملک شام کے رہنے والے ایک کافر سردار نے ہمارے حضورؐ کے ایک قاصد کو شہید کر دیا تھا۔ یہ عزت والے صحابی رسول اللہ کی طرف سے یہ پیغام لے کر گئے تھے کہ تم کفر اور برائی کا راستہ چھوڑ کر مسلمان بن جاؤ۔

جب اس برے سردار نے جس کا نام شرجیل تھا۔ ایسا برا برتاؤ کیا تو حضورؐ نے اسے سزا دینے کے لئے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ شرجیل نے روم کے بادشاہ کی فوج منگوالی اور موتہ نامی مقام پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مسلمان جیت تو گئے۔ لیکن ان کے کئی سردار شہید ہو گئے جن میں حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جب ہمارے حضورؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت اسامہؓ کی سرداری میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ کہ شرجیل اور اس کے حمائتیوں سے ان شہیدوں کا بدلہ لیا جائے جو جنگ موتہ میں قتل کئے

گئے تھے۔ اس وقت حضرت اسامہؓ بالکل تھوڑی عمر کے لڑکے تھے لیکن حضورؐ نے اِس بات کا خیال نہ کیا۔ بڑے بڑے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں اپنا سردار مانیں اور ان کے حکم پر چلیں۔

اسلامی تاریخ میں اس لشکر کو جیشِ اسامہ کہا گیا ہے۔ جیش عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں۔ یہ لشکر سنہ ۱۱ھ میں ایسے وقت روانہ کیا گیا تھا جب حضورؐ سخت بیمار تھے۔ آپ کی وفات کی خبر سُن کر اسے راستے ہی سے لوٹنا پڑا۔

حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ ہی کو سردار بنا کر پھر لشکر روانہ کیا اور اس نے اس بڑے کافر سردار کو پوری پوری سزا دی۔

قرآن شریف

اللہ پاک نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کتابیں نازل کی ہیں ان کی گنتی چار ہے۔ پہلی توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ دوسری زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری۔ تیسری انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور چوتھی قرآن شریف جو ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی۔

پہلی تینوں کتابیں بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی تھیں اور ان کے اندر زیادہ تر ان برائیوں کا علاج بتایا گیا تھا جو اس قوم میں پیدا ہوتی رہیں۔ لیکن قرآن شریف دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے ہے اور اس کے اصول قیامت تک ٹھیک رہیں گے۔ پہلی تینوں کتابوں کے سلسلے میں یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خرابی یہ کر لی تھی۔ کہ ان کی بہت سی باتوں کو بدل دیا تھا اور کتنی ہی

باتیں اپنی طرف سے شامل کر دی تھیں۔

قرآن شریف کی سب سے پہلی سورت حرا نام کے غار میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورت کا نام سورۂ اقرا ہے۔ نبوت ملنے سے پہلے ہمارے حضور کا یہ دستور تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں لے کر غارِ حرا میں چلے جاتے تھے اور اللہ پاک کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس جگہ عزّت والا فرشتہ جبرئیلؑ آیا اور آپ کو یہ اچھی خبر سنائی۔ کہ اللہ نے آپ کو اپنا آخری رسول بنایا ہے۔

قرآن شریف کے کل تیس پارے یعنی حصے ہیں اور ان کے اندر ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ان سورتوں میں دو طرح کی ہیں۔ کچھ مکّی ہیں اور کچھ مدنی۔ مکّی ان سورتوں کو کہتے ہیں جو اس زمانے میں نازل ہوئیں جب ہمارے حضور مکہ معظمہ میں تھے۔ مدنی ان سورتوں کو کہتے ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

قرآن شریف کے بارے میں اللہ پاک نے یہ وعدہ کیا ہے کہ یہ قیامت تک بالکل صحیح حالت میں رہے گا۔

حدیث

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں جو باتیں فرمائیں انہیں حدیث کہتے ہیں۔ ہمارے عزت والے بزرگوں نے قریب قریب اِن ساری باتوں کو کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

بخاری شریف، موطائے امام مالک، مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف حدیث کی مشہور کتابیں ہیں۔ جو باتیں اور بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں انہیں آثار کہتے ہیں

جو سچے واقعات بیان کیے گئے انہیں حکایات کہا جاتا ہے۔ حکایات حکایت کی جمع ہے۔

فقہ

جن اصولوں کے مطابق لوگوں کے جھگڑوں اور مقدموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسلام میں ان کے مجموعے کو فقہ کہتے ہیں۔ جن بزرگوں نے یہ اصول معلوم کئے انہیں فقیہہ کہتے ہیں اور ان میں چار بزرگ خاص درجہ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام فرقے انہی میں سے کسی نہ کسی بزرگ کے اصولوں پر چلتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ
(۲) حضرت امام مالکؒ۔
(۳) حضرت امام شافعیؒ۔
(۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔

بدر کا میدان

مسلمانوں اور مکہ میں رہنے والے کافروں کے درمیان جو سب سے پہلی جنگ ہوئی اسے جنگ بدر کہتے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ لڑائی مدینہ شریف سے کچھ فاصلے پر بدر نام کے مقام پر لڑی گئی تھی۔

اس لڑائی میں حصہ لینے والے مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی اور ان کے پاس لڑائی کا پورا سامان بھی نہ تھا۔ ان کے مقابلے میں کافر ایک ہزار کے قریب تھے اور خوب تیاری کرکے لڑنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن اللہ پاک نے مسلمانوں کو فتح دی۔ کافروں کا مشہور سردار ابوجہل اور کئی اور سردار مارے گئے۔

بدر کے معنی ایکا ایکی آجانا اور چڑھائی کر دینا ہیں۔ اگر حرف دال پہ زبر، زیر، پیش وغیرہ کچھ نہ ہو یعنی اسے ساکن پڑھا جائے تو پھر عربی

زبان کے اس لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ پھر اس کا مطلب پورا چاند۔ مرور اور دس ہزار روپے کی تھیلی ہو جاتا ہے۔

یہ لڑائی جسے اسلامی تاریخ میں غزوۂ بدر کہا جاتا ہے۔ ۲ھ میں لڑی گئی تھی۔ مکّے کے کافر اس خیال سے چڑھائی کر کے آئے تھے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے لیکن اللہ پاک نے الٹا ان ہی کو ذلیل کر دیا۔

قرآن شریف میں آیا ہے جب لڑائی شروع ہوئی تو اللہ پاک نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو بھیجا۔ اس جنگ کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر کنکریں پھینکیں تو کافروں کو یوں لگا جیسے ان کے بدن پر بندوق کی گولیاں لگی ہیں۔

مدینہ شریف سے ۸۰ میل کے فاصلے پر بدر نام کا ایک گاؤں بھی آباد ہے۔

اُحد کا میدان

اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے مسلمانوں اور مکہ کے مشرکوں کی دوسری بڑی لڑائی اسی پہاڑ کے قریب ہوئی۔ اسی لیئے تاریخ میں اس جنگ کو جنگِ اُحد کہا جاتا ہے۔ بدر کے میدان میں شکست کھانے کے بعد مکہ کے مشرک سال بھر تک لڑائی کی تیاری کرتے رہے اور جب لڑائی کا سارا سامان درست ہو گیا تو ابوسفیان کی سرداری میں (آپ بعد میں مسلمان ہو گئے) مسلمانوں سے لڑنے نکلے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کے حملے کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی مجاہدین کو ساتھ لے کر مقابلہ کو آئے۔ اور احد پہاڑ کو اپنے لشکر کی پشت کی طرف رکھ کر مورچے قائم کیئے۔ اس پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی (آنے جانے کا تنگ سا راستہ) آپؐ نے وہاں تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کر دیا اور انہیں تاکید فرمائی۔ کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن ان لوگوں نے حضورؐ کے اس ارشاد پر عمل نہ کیا۔ پہلی جھڑپ میں کافر شکست کھا کر بھاگے تو یہ تیر اندازان کا سامان لوٹنے کے خیال سے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور حضرت خالدؓ بن ولید نے جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے اس گھاٹی کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس حملے سے بہت زیادہ نقصان ہوا حضرت صلعم کے دندان مبارک اس لڑائی میں شہید ہوئے ۔

اصحابِ صفّہ

صحابی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنے دوست یا ساتھی کے ہیں لیکن اب یہ لفظ خاص طور پر ان عزت والے بزرگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور اسلام کی ترقی کے تمام کاموں میں حصّہ لیتے تھے۔

صحابی کی جمع اصحاب ہے، یعنی اگر ایسے عزت والے ایک آدمی کا ذکر ہو تو اسے صحابی کہیں گے۔ ایک سے زیادہ ہوں تو انہیں اصحاب یا صحابہ۔

یہ نام ہمارے حضورؐ کے دوستوں اور ساتھیوں کے لئے خاص ہے اور پیغمبروں کے دوستوں کے نام اور اور ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو حواری کہتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں اصحاب صفہ کا ذکر آیا ہے۔ شاید آپ ننھے منے بھائیوں اور بہنوں کو یہ بات معلوم نہیں ہو گی۔ کہ اصحاب صفہ

کن بزرگوں کو کہتے تھے۔ آیئے ہم آپ کو بتائیں:

یہ بات تو آپ سب کو معلوم ہی ہو گی۔ کہ جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کے اچھے راستے کی طرف بلایا تو زیادہ تر غریب لوگ ایمان لائے۔ انہی لوگوں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کے رہنے کے لیئے نہ کوئی گھر تھا نہ کھانے پینے کا انتظام تھا۔

ایسے غریب مسلمانوں کے لئے حضور صلعم نے یہ انتظام فرما دیا تھا کہ وہ اسلام کی باتیں سیکھتے رہیں اور پھر یہ اچھی باتیں دوسروں کو سکھائیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام یہ تھا کہ جب مسلمان فوج کوئی لڑائی فتح کر لیتی اور اُسے غنیمت کا مال ملتا تھا تو اس میں سے ان کو بھی حصہ دیا جاتا تھا۔ مالِ غنیمت اس مال کہتے ہیں جو ہارنے والے سپاہی چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

یہ عزت والے صحاب ایک چبوترے پر رہتے تھے جو اس مسجد کے پاس تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آنے کے بعد بنایا تھا اور جسے مسجدِ نبوی کہتے ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اصحاب صفہ کی گنتی ایک سو تھی۔

حضور صلعم کی زندگی میں کتنے لوگ مسلمان ہوئے

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت اللہ پاک نے اپنا رسول بنایا آپ کی عمر شریف چالیس برس تھی۔ یہ عزت ملنے کے بعد آپ تیئیس سال اور زندہ رہے۔

جس وقت حضور نے اسلام کا پیغام لوگوں کو سنایا تو وہ آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ شروع کے دس برسوں میں گنتی کے صرف چند آدمی مسلمان ہوئے۔ لیکن ۶۳ سال کی عمر میں جب آپ کا انتقال ہوا تو ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور یہ سب ایسے پکے مسلمان تھے کہ اسلام کے نام پر اپنی جان قربان کر دینے کو بالکل معمولی بات خیال کرتے تھے۔

اصحابِ کہف

قرآن حکیم میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یہ واقعہ بہت ہی عجیب اور دلچسپ ہے اور اس سے اللہ پاک کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

قرآن شریف کی آیتوں کا مطلب بیان کرنے والے عالموں نے لکھا ہے کہ بہت پرانے زمانے میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ وہ اپنے ملک کے لوگوں سے بتوں کی پوجا کراتا تھا۔ جو شخص یہ حکم نہ مانتا تھا۔ اُسے سزا دیتا تھا۔ اس بادشاہ کے ملازموں کے کچھ لڑکے ایسے تھے جو اللہ کو مانتے تھے۔ انہیں بتوں کی پوجا سے نفرت تھی۔ ان سب نوجوانوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس ملک کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جانا چاہیے۔ یہ طے کر کے وہ گھر سے نکلے اور جب چلتے چلتے

لہ موضح القرآن۔ شاہ عبدالقادرؒ

شام ہوگئی تو ایک پہاڑ کی کھوہ میں جاکر سو گئے۔ اور اللہ پاک نے اپنی خاص قدرت سے ان کے اوپر ایسی گہری نیند طاری کر دی۔ کہ کئی سو برس تک سوتے رہے۔

اتنے دن گذرنے کے بعد آنکھ کھلی تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو کچھ روپے دے کر بستی کی طرف روانہ کیا۔ کہ وہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید لائے۔ اب وہاں یہ حال تھا۔ کہ کئی نسلیں گذرنے کے بعد بالکل ہی نئے حالات تھے۔ بادشاہ بھی اور تھا۔ لوگ بھی اور تھے اور ان کا مذہب بھی اور تھا۔

اصحاب کہف کے اس ساتھی نے نانبائی کی دوکان پر جاکر روٹیاں خریدنے کے لئے روپیہ دیا تو وہ بہت زیادہ حیران ہوا کیونکہ اب اس ملک میں اور طرح کا سکہ چلتا تھا۔ نانبائی کو یہ خیال گذرا۔ کہ اس آدمی کے ہاتھ ضرور کوئی خزانہ لگا ہے اور اپنے اس خیال کی بنا پر اُسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔

مقدمے کے دوران میں بادشاہ نے سارے حالات سنے تو پہاڑ کی اس کھوہ میں جاکر اپنی آنکھوں سے ان سب نوجوانوں کو دیکھا اور انہیں دیکھنے کے بعد اسے اس بات کا یقین آیا کہ اللہ پاک مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے اس بادشاہ کو قیامت

پر یقین نہ تھا۔

جب بادشاہ ان کا حال پوچھ کر چلا گیا تو اللہ پاک نے ان پر پہلے کی طرح پھر نیند طاری کر دی۔ اب وہ قیامت تک اسی طرح سوتے رہیں گے۔ سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت جب اس کھو میں دھوپ آتی ہے تو ان سے بچ کر گذر جاتی ہے۔ اور فرشتے انہیں کروٹ بدلواتے ہیں۔ سونے میں ان سب کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ جاگ رہے ہیں۔

جو بادشاہ ان کا حال دریافت کرنے کے لئے گیا تھا اس نے اس کھو کو اور محفوظ کرنے کے لئے ایک عمارت بنوا دی تھی۔

کہف عربی زبان میں پہاڑ کی کھو کو کہتے ہیں۔ اس کھوہ میں سوتے رہنے کی وجہ سے ان لوگوں کو اصحاب کہف کہا گیا ہے۔ ان کی گنتی کے بارے میں یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ تین پانچ یا سات ہیں لیکن ہمارا ایمان یہ ہے کہ ان کی گنتی کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہے وہ بھی اسی طرح سو رہا ہے ؞

جنّت

جو لوگ خدا کو مانتے ہیں اور اس کے بنائے ہوئے اصولوں یعنی مذہب پر چلتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی انسان بوڑھا ہوکر یا کسی حادثہ سے مرجاتا ہے تو بالکل مٹ ہی نہیں جاتا۔ صرف اس کا ظاہری جسم مرتا ہے۔ اس کی روح جو اصل انسان ہے اسی طرح باقی رہتی ہے۔

اللہ پاک اِس روح کو ایک اور دنیا میں بھیج دیتا ہے جس کا نام برزخ ہے۔ تمام اِنسانوں کی روحیں اِس دنیا میں قیامت تک رہینگی۔ قیامت کے بعد تمام اِنسانوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ اللہ پاک اِن کاموں کا حساب لیں گے جو انہوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیئے ہوں گے۔ اور پھر انہیں انعام یا سزا دی جائے گی۔ جس کسی نے اچھے کام کیئے ہوں گے۔ اُسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور جس

بدنصیب نے برائیاں کی ہوں گی اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الہامی کتاب قرآن شریف میں اللہ پاک نے یہ بات کھول کر بتائی ہے کہ جس جگہ کو جنت کہا گیا ہے وہ اصل میں بڑے ہی خوبصورت اور ہرے بھرے باغ ہیں جن کے اندر صاف شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اِن باغوں کے اندر بڑے بڑے شاندار محل ہیں۔ جن کے اندر نیک لوگ عیش آرام کے ساتھ رہیں گے۔

یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نیک اور شریف لوگوں میں بھی درجے ہیں۔ کچھ لوگ نیک ہیں۔ کچھ بہت نیک ہیں۔ کچھ بہت زیادہ نیک ہیں۔ انہی درجوں کے مطابق کچھ باغ اچھے ہیں کچھ بہت اچھے ہیں اور کچھ بہت ہی اچھے ہیں۔ ان کی حیثیت کے مطابق ان کے الگ الگ نام بھی ہیں۔

اللہ پاک نے اپنی سچی کتاب قرآن شریف میں بتایا ہے۔ کہ اچھی قسمت والے جو لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے انھیں ہر طرح کی عزت آرام اور اطمینان دیا جائے گا۔ نہ وہاں کسی قسم کا دنگا فساد ہوگا نہ انہیں وہاں سے کبھی نکالا جائے گا۔ یہ آرام ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی ہر ایک خواہش پوری کی جائے گی۔ بہتر سے بہتر لباس پہننے کو ملے گا اور بڑھیا

سے بڑھیا کھانے اور پھل دیئے جائیں گے۔

بہشت

جنت

فردوس —— درجوں کے لحاظ سے یہ جنت کے الگ الگ

نام ہیں۔

کوثر اور تسنیم

جنت میں جانے والے لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے کوثر اور تسنیم کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان دونوں کے بارے میں بزرگوں نے لکھا ہے:

"کہ یہ دونوں جنّت کی نہریں ہیں"[1]

ان کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ جنت میں جانے والے بے روک ٹوک ان سے اپنی پیاس بجھائیں گے۔

---

[1] موضح القرآن۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح

حوریں

اللہ پاک نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ جن اچھی قسمت والے لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا ان کی خدمت کے لئے حوریں مقرر کی جائیں گی۔ یہ اچھی شکل اور اچھی عادتوں والی عورتیں ہیں جنہیں اللہ پاک نے خاص اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ جنتیوں کی خدمت کریں اور ان کا دل بہلائیں۔ وہ بہت عزت والی اور پاکباز ہیں اور شکل صورت میں ایسی اچھی ہیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی خیال بھی قائم نہیں کر سکتے۔ دیکھنے کے بعد ہی ان کی اچھائیوں کا اندازہ ہو گا ؎

غلمان

غلمان، کم عمر کے ان اچھے لڑکوں کا نام ہے جو جنت میں جانے والوں کی خدمت کریں گے۔ ان لڑکوں کی اچھائیوں کے بارے میں بھی بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو لوگ اللہ پاک کی نازل کی ہوئی سچی کتاب قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک دیکھ نہ لیں ان کے بارے میں بھی کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ حوروں کی طرح یہ بھی اللہ کی خاص مخلوق ہے۔

رضوان

بعض ایسے شعروں میں جن کے ذریعے جنت کا حال بیان کیا گیا ہے. آپ نے رضوان کا نام پڑھا ہوگا۔ یہ نام اس عزت والے فرشتے کا ہے۔ جو جنت کا دربان ہے۔ اگر کوئی ایسا آدمی جنت میں داخل ہونا چاہے گا جس نے دنیا کی زندگی میں اچھے کام نہ کئے ہوں گے۔ اُسے یہ فرشتہ فوراً روک دے گا۔ اور جنہیں جنت میں جانے کی اجازت ملے گی انہیں نہایت عزت کے ساتھ اِن کے باغوں اور محلوں میں پہنچا دے گا:

بعض ایسے کم سمجھ لوگ جنہیں اللہ پاک کی فرمائی ہوئی باتوں پر یقین نہیں آتا. یہ کہتے ہیں۔ کہ دوزخ اور جنت کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ یونہی لوگوں کو ڈرانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کو ایسے لوگوں کی باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دینا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ

پاک نے خود فرمایا ہے۔ وہ حد سے زیادہ کم سمجھ اور جاہل ہیں۔ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس خدا نے زمین، آسمان، چاند، ستارے اور سورج وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ وہ جنت اور دوزخ بھی بنا سکتا ہے۔ اور جس نے ہمیں ایک بار پیدا کیا ہے وہ دوسری بار بھی پیدا کر سکتا ہے۔

جنت کے بارے میں ہمارا ایمان یہ ہونا چاہئے کہ یہ اللہ پاک کا بہت بڑا انعام ہے۔

دوزخ

جو لوگ اپنی دنیا کی زندگی میں برائی کے راستے پر چلیں گے ان کے بارے میں اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے۔ کہ انہیں قیامت کے دن دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

دوزخ کا حال بیان کرتے ہوئے بزرگوں نے بتایا ہے۔ کہ وہ آگ کا ایک بہت بڑا گڑھا ہے۔ اور اس کے اندر ایسی تیز آنچ والی خوفناک آگ دھک رہی ہے۔ کہ ہماری اِس آگ کی اس کے سامنے کچھ حقیقت ہی نہیں جو ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔

جن بری قسمت والے لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہو جائیگا۔ کہ انہوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں بہت ہی برے کام کئے ہیں اور اُن کے اِن بُرے کاموں کی وجہ سے دوزخ کا عذاب ملنا چاہیے، انہیں آگ کے اس گڑھے میں پھینک دیا جائے گا اور وہاں ان کی

یہ حالت ہوگی۔ کہ جب ان کی کھال جل جائے گی تو اس کھال کو پھر اچھا کر دیا جائے گا اور پھر جلایا جائے گا اور ہمیشہ یونہی ہوتا رہیگا۔ (دعا کرنی چاہیئے اللہ اس عذاب سے بچائے)

جنت کی طرح دوزخ کے بھی کئی درجے میں۔ قرآن شریف میں ان کے نام بیان کیے گئے ہیں۔ جہنم اور ہاویہ انہی ناموں میں سے ہیں۔ اس مقدس کتاب میں دوزخ کی آگ کا حال بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور یہ بات بتائی گئی ہے۔ کہ وہ بہت ڈرانے والی ہے اور اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ؏

برزخ

برزخ اس جگہ کا نام ہے۔ جہاں مرنے کے بعد سے لے کر حساب کتاب کا دن یعنی قیامت آنے تک انسانوں کی روحوں کو رکھا جائے گا۔ اس دنیا کے بارے میں یہ بات بتائی گئی ہے۔ کہ جن لوگوں نے دنیا میں اچھے کام کیئے ہوں گے۔ وہ یہاں آرام سے رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کئے ہوں گے تکلیف اٹھائیں گے۔ یہ حالت تقریباً ویسی ہی ہوگی جیسے ہم اچھا یا برا خواب[1] دیکھتے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

منکر نکیر

جو لوگ اللہ کی بنائی ہوئی باتوں کو نہیں مانتے یعنی کافر ہیں وہ تو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ جب اِنسان مر جاتا ہے تو اس کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے۔ کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر میں انسان کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ اس کے بعد عالم برزخ میں رکھا جاتا ہے۔ اور قیامت کے دن دوزخ یا جنت میں بھیجا جائے گا۔

قبر کے اندر انسان سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام منکر نکیر ہے۔ یہ فرشتے مرنے والے سے یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مانتا ہے یا نہیں ؟

حضرت آدمؑ

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں۔ دنیا کے تمام انسان چاہے وہ گورے ہوں یا کالے آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ اللہ پاک نے اپنی سچی کتاب قرآن حکیم میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔ اس مقدس آسمانی کتاب میں لکھا ہے:

اللہ پاک کے حکم سے سنی ہوئی مٹی سے لے کر پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ پھر اس پتلے کے اندر روح پھونکی گئی اور فرشتوں جیسی نورانی مخلوق کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ ان کے آگے سجدہ کریں۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا۔ کہ حضرت آدمؑ کو اپنی اصلی شان معلوم ہو جائے۔ وہ یہ بات جان لیں کہ اللہ پاک نے انہیں اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ رتبہ دیا ہے اور اپنا خلیفہ یعنی نائب بنایا ہے۔

جب آپ کو یہ عزت دی گئی تو شیطان آپ کا اور آپ کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ وہ اس وقت فرشتوں میں بھی سب سے زیادہ عزت

رکھتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ اللہ پاک مجھے اپنا خلیفہ بنائے گا۔ یہ خیال چاہے نہ بھی ہو۔ لیکن اس کے دل میں غرور حد سے زیادہ تھا۔ اس نے کہا میں آگ سے پیدا ہوں اور آدم مٹی سے میں اسے سجدہ کیوں کروں!

اپنا خلیفہ بنانے کے بعد اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت حوّا کو یہ حکم دیا کہ تم دونوں جنت کے اندر رہو، یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ بس اتنا کام کرنا کہ اس ایک درخت کے قریب مت جانا! لیکن ہوا یہ کہ حضرت حوّا کو یہ نصیحت یاد نہ رہی۔ شیطان کے بہکانے سے انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا اور اپنے شوہر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔ اور اس بات سے ناراض ہو کر اللہ پاک نے ان دونوں کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا۔

زمین پر آکر حضرت آدم علیہ السلام بہت دن تک روتے رہے اور اپنی لغزش کی معافی مانگتے رہے۔ آخر اللہ پاک نے اپنی رحمت فرمائی۔ ان دونوں کو آپس میں ملا دیا۔ اور عزت کے ساتھ زندگی گذارنے کے سارے سامان کر دئے۔

آدم سریانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی مٹی کے ہیں۔ اس

لہ ترجمان القرآن۔ از مولانا ابو الکلام آزاد۔

کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ آپ کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

حضرت آدم کا لقب ابوالبشر ہے۔ جس کے معنے انسانوں کا باپ ہیں۔ تمام انسانوں کے باپ یعنی جدِ اعلیٰ ہونے کے علاوہ آپ اللہ پاک کے سچے رسول بھی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ سال زندہ رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام آپ کی وفات کے ۱۰۵۶ سال بعد پیدا ہوئے۔

حضرت حوّا

حضرت حوّا تمام انسانوں کی ماں اور حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی ہیں۔ آپ کی پیدائش کے بارے میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ یہ بات پڑھ کر حیران نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ رب العزت کی وہ شان ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ معمولی حیثیت رکھنے والا انسان کیسے کیسے حیرت میں ڈالنے والے کام کر رہا ہے۔ پھر خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔
حوّا لفظ حیّ سے نکلا ہے جس کے معنی زندہ کے ہیں ۔

حضرت نوحؑ کا طوفان

حضرت نوح علیہ السلام مشہور پیغمبر ہیں۔ آپ کو آدمؑ ثانی یعنی دُوسرا آدمؑ کہا جاتا ہے۔ اِس نام کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کے زمانے میں پانی کا ایک ایسا بڑا طوفان آیا۔ کہ جتنے جاندار تھے سب مر گئے۔ صرف وہ اِنسان اور جانور بچ سکے جو آپ کی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔

یہ عذاب آنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس زمانے کے لوگوں نے بہت بُری عادتیں اختیار کر لی تھیں۔ ان کے اندر سب سے بڑی برائی تو یہ پیدا ہو گئی تھی۔ کہ ایک خدا کو چھوڑ کر وہ بتوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ اِن بتوں میں چار بت بہت بڑے مانے جاتے تھے؛

(۱) وُدّ۔ یہ بت ایک مرد کی صورت کا تھا۔

(۲) سواع۔ یہ بت ایک عورت کی شکل کا تھا۔

(۳) یغوث۔ یہ بت گھوڑے کی شکل کا تھا۔

(۴) نسیر۔ یہ بُت گدھ کی شکل کا تھا۔

بتوں کی پوجا کرنے کے علاوہ ان لوگوں میں اور بھی بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اللہ کے سچے رسول حضرت نوح علیہ السلام ان لوگوں کو ساڑھے نو سو برس برابر سمجھاتے رہے۔ جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو آپ نے اللہ پاک کے حضور دعا مانگی۔ کہ اس ظالم قوم کا خاتمہ کر کے اور اچھے لوگ پیدا کر جو نیکی کے راستے پر چلیں اور تیری عبادت کریں۔ اللہ پاک نے اپنے رسول کی یہ دعا قبول کر لی اور اس قوم کو تباہ کرنے کے لئے پانی کا طوفان بھیجا۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے چالیس دن تک آسمان سے بھی پانی برستا رہا اور زمین سے بھی ابلتا رہا۔ اور طوفان کا یہ پانی اتنا زیادہ ہو گیا کہ اونچے اونچے پہاڑ بھی ڈوب گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام کلدانی تھا۔ اور وہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کی وادی میں رہتی تھی۔ اس جگہ کو آج کل عراق کہتے ہیں اور یہ ایک عرب ملک مانا جاتا ہے۔

طوفان کا عذاب بھیجنے سے کافی دن پہلے اللہ پاک نے وحی کے ذریعے حضرت نوحؑ کو خبردار کر دیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ لکڑی کے بڑے بڑے تختوں سے ایک بڑی ساری کشتی بنالو اور جب

طوفان کے آثار ظاہر ہوں۔ ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا اس کے اندر رکھ لو اور اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر اس کے اندر بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

طوفان آنے کے بعد حضرت نوح کی کشتی اس وقت تک تیرتی رہی جب تک پانی کا زور کم نہ ہو گیا۔ یہ خوفناک طوفان ختم ہونے کے بعد آپ کی کشتی جودی نام کے پہاڑ پر آ کر رکی اور زمین خشک ہونے کے بعد ان انسانوں نے نئے سرے سے زندگی شروع کی جو آپ کے ساتھ سوار ہو گئے تھے۔

حضرت نوحؑ کی کشتی

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ یہ کشتی بہت بڑی تھی۔ ایسی ہی سمجھ لیجئے جیسے ہمارے آج کل کے زمانے کے سمندری جہاز ہوتے ہیں۔ بہرحال بتایا یہ گیا ہے۔ اس تاریخی کشتی کی چھ منزلیں تھیں اور ہر منزل میں چھ درجے تھے۔

قصص الانبیاء کے مصنف مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے لکھا ہے حضرت نوحؑ کی کشتی کی لمبائی ایک ہزار گز تھی۔ آپ رجب کے مہینے سے لے کر محرم تک چھ مہینے کشتی پر ہی رہے خشکی پر اترنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد بنائی اور جس جگہ اترے بعد میں وہاں ایک بستی آباد ہوئی جس کا نام ثمانین تھا۔

(دینِ حق۔ از پروفیسر سید نواب علی)

شہر بابل

مشہور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ آپ وادیٔ عراق کے مشہور شہر بابل میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ اب سے پانچ ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں یہ شہر بہت ترقی پر تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ دنیا کا سب سے بڑا اور خوبصورت شہر مانا جاتا تھا۔

تمدن عرب نام کی کتاب کے مصنف ڈاکٹر لیبان نے اس شہر کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ یہ مصنف لکھتا ہے:

شہر بابل دریائے فرات کے کنارے پہ آباد تھا۔ اور اس کا رقبہ ایک سو میل تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر کا نقشہ کچھ اس طرح بنایا گیا تھا کہ لمبائی اور چوڑائی کا فاصلہ ایک جیسا تھا۔

شہر کی حفاظت کے لیے جو فصیل بنائی گئی تھی۔ تیس گز چوڑی

تھی۔ اس کے اوپر چار گھوڑوں والی گاڑی نہایت آسانی اور حفاظت کے ساتھ دوڑ سکتی تھی۔ فصیل کے باہر ایک بہت چوڑی اور گہری خندق بنائی گئی تھی۔ کسی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا تو اس خندق کو پانی سے بھر دیا جاتا تھا۔ یہ انتظام بھی کیا گیا تھا۔ کہ غلّہ اور پھل وغیرہ ضرورت کی جتنی چیزیں ہیں وہ شہر کی چار دیواری کے اندر ہی پیدا ہوں۔ بڑے بڑے کھیت اور باغ بنائے گئے تھے۔

بابل کے مشہور ہونے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ایک ایسا باغ لگایا گیا تھا جو زمین کی جگہ بہت بڑی چھت کے اوپر تھا۔ اسے باغ معلق یعنی زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا ہوا باغ کہتے تھے۔ دور سے دیکھنے والے کو بالکل یوں نظر آتا تھا جیسے بڑے بڑے درخت ادھر میں ٹنگے ہوئے ہیں۔

یہ باغ بڑی ہی کاریگری سے لگایا گیا تھا۔ بہت سے ستون بنا کر ان کے اوپر ایسی مضبوط چھت قائم کی گئی تھی۔ جو بڑے بڑے تناور درختوں کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھی۔ اور اس سے بھی بڑی کاریگری یہ تھی۔ کہ دریائے فرات کا پانی ستونوں کے سہارے اوپر پہنچایا جاتا تھا۔ جس سے درخت سیراب ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اونچی شان والے پیغمبر ہیں۔ آپ کو ابوالانبیاء یعنی نبیوں کا باپ بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی اولاد میں بہت سے عزت والے نبی ہوئے ہیں۔ ہمارے حضور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ ہی کے خاندان سے ہیں۔

تاریخ لکھنے والوں کے اندازے کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے عراق کے پرانے تاریخی شہر بابل میں پیدا ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے اس جگہ کا نام آور اور فدان ارم بھی لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس زمانے میں بابل کا یہی نام ہو یا اس شہر کو ان ناموں سے بھی پکارتے ہوں!

آپ کے والد صاحب کا نام تورخ تھا لیکن انہیں آزر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آزر کے معنی بت سے محبت کرنے والے کے ہیں۔ یہ نام

اِس وجہ سے دیا گیا تھا کہ وہ بت بنایا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانوں کے اس خاندان کو سامی نسل کہا جاتا ہے۔ آپ حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو نوے سال بعد پیدا ہوئے۔

جس زمانے میں آپ پیدا ہوئے فرات اور دجلہ کی وادی یعنی عراق میں بسنے والے لوگ بتوں اور ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کا بادشاہ نمرود بھی یہی مذہب رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے تو یہ برائی پھیلا رکھی تھی کہ خود اپنے بت بنوا کر مندروں میں رکھوا دئے تھے اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اُسے خدا جان کر پوجا کریں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان برائیوں میں سے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔ اللہ پاک کی مہربانی سے آپ نے بالکل بچپن ہی میں یہ بات معلوم کر لی تھی۔ کہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ پاک ہے۔ اور ہمیں اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔

جب آپ جوانی کی عمر کو پہنچے تو اپنی قوم کے لوگوں کو بھی یہ اچھی باتیں سمجھانی شروع کیں کہ بتوں اور چاند ستاروں کی جگہ اسی سچے خدا کو پوجنا چاہیئے جس نے ہم سب کو اور دنیا کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور

لہ قصص القرآن۔ از مولانا حفظ الرحمٰن سہواروی

برائی کے وہ سارے کام چھوڑ دینے چاہئیں جن سے بے گناہ لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

جب کوئی شخص یا کوئی قوم برائی میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو پھر وہ ان لوگوں کو اپنا دشمن خیال کرنے لگتی ہے جو اسے سمجھانے والے ہوں۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہوا۔ سچائی کے راستے پر آنے کی جگہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے آپ کے اوپر مقدمہ چلایا اور بادشاہ نمرود نے یہ سزا تجویز کی۔ کہ آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ لیکن اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت سے آگ کے انگاروں کو پھول بنا دیا۔ آپ کا ایک رواں بھی نہ جلا۔

اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرنے کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ سیدھے راستے پر نہ آئیں گے تو اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو ساتھ لے کر ہجرت کی۔ یعنی اپنا پرانا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔

لہٰذا اِن ارم یا بابل سے نکل کر آپ سب سے پہلے اس جگہ آئے جسے آج کل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہاں کچھ دم شکیم نامی بستی میں رہے (اسے آج کل نابلس کہتے ہیں) اور پھر ملک مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ملک مصر پر ان دنوں رقیون نامی بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ تھا

تو سامی نسل سے ہی لیکن بہت زیادہ ظالم اور بُرا تھا۔ اس نے یہ بُری
حرکت کی۔ کہ آپ کی پیاری بیوی حضرت سارہ کو آپ سے چھین لینا
چاہا۔ لیکن اسے بہت جلد معلوم ہو گیا۔ کہ یہ اللہ پاک کے خاص بندے
ہیں اور اس نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کے ساتھ آپ کی شادی
کر دی ۔

مصر سے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک فلسطین میں آباد ہو گئے
اُس زمانے میں اِس ملک کو کنعان کہتے تھے۔ یہاں آپ کا اور آپ کے
گھر والوں کا گذارہ بھیڑ بکریوں کے دودھ گھی۔ پنیر اور گوشت پر تھا۔
یہاں آنے کے بعد آپ کی دونوں بیویاں یعنی حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ کے
ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ کے ہاں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت
ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت
ابراہیم کی عمر ۸۵ سال تھی۔ حضرت اسحٰقؑ ۱۰۰ سو سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔
آپ کی عمر ۱۷۵ سال ہوئی ۔

حضرت سارہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے والد صاحب کا نام حضرت حاران تھا۔ اس طرح ان عزت والی خاتون کا پورا نام سارہ بنت حاران ہوا۔ بنت عربی زبان میں بیٹی کو کہتے ہیں۔

حضرت حاران۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے۔ ان کے والد صاحب یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا صاحب کا نام ناجور تھا جو فدان نام کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھ پشتوں کے بعد ان بزرگ کا سلسلۂ نسب حضرت نوح علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے بیٹے حضرت سام۔ حضرت سام کے بیٹے اُرفکشاذ۔ ان کے بیٹے شالح۔ ان کے بیٹے عابر۔ ان کے بیٹے فالج ان کے بیٹے رعو۔ ان کے بیٹے سروج اور ان کے بیٹے ناجور[1]۔

---

[1] قصص القرآن۔ از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

حضرت ہاجرہ

حضرت ہاجرہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی اور عزت والے رسول حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی محترمہ والدہ ہیں۔ آپ مصر کے بادشاہ رقیون کی بیٹی تھیں۔ بعض ایسے نامسلمان عالموں نے جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر بات کو کم کر کے دکھانا چاہتے ہیں یہ لکھا ہے کہ حضرت ہاجرہ رقیون کی لونڈی تھیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

ہاجرہ اصل میں عبرانی زبان کا لفظ ہاغار ہے۔ جس کے معنی ایسے آدمی کے ہیں۔ جس کے ساتھ پہلے سے جان پہچان نہ ہو یعنی اجنبی۔ عربی زبان میں بھی لفظ اپنا وطن چھوڑ کر آنے والوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

حضرت اسمٰعیلؑ

حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے عزت والے بیٹے ہیں۔ اللہ پاک نے انہیں بھی نبوّت کی شان دی تھی۔ اللہ پاک کا رسول ہونے کے علاوہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شہرت اس وجہ سے بھی ہے۔ کہ آپ بچپن ہی سے بہت زیادہ نیک اور اپنے بزرگوں کا حکم ماننے والے تھے۔ اپنے والد صاحب کا حکم ماننے اور ان کی بات رکھنے کے سلسلے میں حضرت اسمٰعیلؑ نے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ پوری دنیا میں ایسی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

یہ قصّہ یوں ہے۔ کہ ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ ہدایت پائی۔ کہ اپنی سب سے پیاری چیز کو اللہ پاک کے نام پر قربان کر دو۔ اللہ کے رسولوں کے خواب عام آدمیوں جیسے نہیں ہوتے۔ اِس لیے حضرت ابراہیمؑ نے سوچنا شروع کیا کہ سب

سے پیاری اور قیمتی چیز کونسی ہے۔ یہ بات سوچتے ہوئے انہوں نے محسوس کیا جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ اپنے بیٹے سبھی کو اچھے لگتے ہیں۔

اللہ کا حکم پورا کرنا ضروری تھا چنانچہ آپ نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے اس بات کا ذکر کیا۔ اگرچہ اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی۔ لیکن اس بات پر فوراً تیار ہو گئے۔ کہ ان کے والد صاحب انہیں اللہ کے نام پر قربان کر دیں۔ اب آپ خود ہی سوچئے یہ کتنا مشکل کام تھا۔ لیکن حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی جان کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

اسمٰعیلؑ۔ عبرانی زبان کا لفظ ہے یہ اسمع اور ایل سے مل کر بنا ہے۔ اسمع کے معنی ہیں سُن اور ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ یوں حضرت اسمٰعیل کے نام کے معنی یہ ہوئے۔ اللہ سن۔

حضرت اسمٰعیلؑ اس وقت دنیا میں تشریف لائے جب آپ کے والد صاحب کی عمر ۸۵ سال کی تھی۔ ابھی بالکل ننھے بچے تھے کہ اللہ پاک کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس جگہ چھوڑ کر چلے گئے جس جگہ آجکل شہر مکہ آباد ہے۔ اس زمانے میں جگہ بالکل ویران تھی۔ نہ پانی تھا نہ

نہ کھانے پینے کی کوئی چیز۔

اللہ پاک کی قدرت سے حضرت اسمٰعیلؑ کے زمین پر ایڑی مارنے سے وہ پاک چشمہ جاری ہوا جس کا نام زمزم ہے۔ یہ مقدس چشمہ جاری ہونے کے بعد بنی جرہم نام کا ایک قبیلہ آکر اس جگہ آباد ہو گیا۔ جوان ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ نے اسی قبیلے میں شادی کی۔ آپ کے گھر بارہ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی کا نام محلاۃ تھا۔ لڑکوں کے نام یہ تھے:

(۱) نبایوت (۲) قیدار (۳) ادبیل (۴) مبشام (۵) مشاع۔ (۶) رومہ (۷) مسّا (۸) حدار (۹) تیما (۱۰) یطور (۱۱) نافیش۔ (۱۲) قیدما[1]۔

حضرت اسمٰعیلؑ ایک سو چھتیس سال زندہ رہے۔

اللہ پاک نے آپ کی نسل کو ایسی عزت اور برکت دی کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام رہے گا۔

---

[1] قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

حضرت یوسفؑ

حضرت یوسف علیہ السلام کے نام پر قرآن حکیم میں ایک سورت ہے جس کا نام سورۂ یوسف ہے۔ اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ پاک کے نزدیک اس رسول کا خاص درجہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے والد صاحب کا نام یعقوبؑ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت راحیل اور حضرت لیہ کئی عورتوں سے شادی کی تھی اور ان سب کے گھر اولاد ہوئی۔ حضرت یوسف، حضرت راحیل سے پیدا ہوئے تھے اور اپنے بھائیوں اور بہنوں میں سب سے اچھے تھے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ ماں باپ کو اپنے وہ بچے زیادہ پیارے لگتے ہیں جن کی عمر کم ہو۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام کی عادتیں بھی بہت اچھی تھیں۔ ان کے والد صاحب انہیں بہت زیادہ چاہتے

تھے۔ اس بات سے ان کے بڑے بھائی جلنے لگے اور انہوں نے ایک دن انہیں اپنے ساتھ جنگل میں لے جاکر ایک کنوئیں کے اندر دھکا دے دیا اور اپنے والد صاحب سے جاکر یہ کہہ دیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ اس واقعے کے کچھ دیر بعد مصر کی طرف جانے والے سوداگروں کا ایک قافلہ اس طرف سے گذرا۔ اس قافلے والوں میں سے کچھ لوگ پانی بھرنے کے لیے اس کنوئیں پہ آئے اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کو باہر نکال لیا۔

وہ زمانہ ایسا تھا۔ کہ ایسے لاوارث بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام کی حیثیت سے فروخت کر دینے کا رواج عام تھا۔ ان سوداگروں نے بھی آپ کو بازار میں بیچ دیا اور مصر کے وزیر خزانہ نے جسے عزیز کہتے تھے آپ کو خرید لیا۔

یہ گھرانا بہت اچھا تھا۔ یہاں حضرت یوسفؑ ہر طرح عزت اور آرام کے ساتھ رہے۔ لیکن آپ جوان ہوئے تو آپ کی آزمائش کے لئے ایسا ہوا۔ کہ عزیز کی بیوی زلیخا کے دل میں برے خیال آنے لگے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنا چاہا بھلا اللہ کا رسول اپنے محسنوں کے ساتھ کسی طرح کی بیوفائی کس طرح

کرسکتا تھا۔ آپ نے اللہ کی پناہ چاہی اور اس بات سے ناراض ہو کر زلیخا نے آپ کے اوپر الزام لگا دیا اور آپ کو قید کر دیا گیا۔

جو لوگ اچھے اور قابل ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ کچھ دن بعد مصر کے بادشاہ نے ایک ایسا خواب دیکھا جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ کے سوا کوئی اور نہ بتا سکا۔ اسے آپ کی قابلیت اور نیکی کا حال معلوم ہو گیا۔ اور اس نے آپ کو قید خانے سے نکلوا کر اپنا وزیر بنا لیا۔

یہ واقعات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیدا ہونے سے دو ہزار سال پہلے کے ہیں۔ اس زمانے میں مصر پر عمالقہ قوم کی حکومت تھی، انگریزی میں اس قوم کو ہیکرسیس کہا گیا ہے۔ ان کے دارالحکومت کا نام اتمیس تھا۔ اور یہ شہر اسی جگہ آباد تھا جہاں آج کل حسان نام کی بستی آباد ہے۔

مصر کے بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو باشان نام کی ایک بہت بڑی جاگیر دے دی۔ آپ نے اپنے والد صاحب اور گھر کے دوسرے لوگوں کو یہیں بلوا لیا اور عزت و آرام کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک سو دس سال عمر پائی۔ آپ عزیز کے گھر صرف سات سال رہے تھے۔ اس زمانے میں مصر پر جو بادشاہ حکومت کرتا تھا اس کا نام ایان تھا۔

حضرت موسیٰؑ

آپ میں سے جو بچے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں ۔ انہیں معلوم ہوگا کہ اس آسمانی کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت جگہ آیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان عزت والے رسول کے حالات میں ایسی باتیں بہت زیادہ ہیں جن سے اللہ پاک کی شان اور عظمت ظاہر ہوتی ہے اور جو کوئی ان پر غور کرے اس کے دل میں اچھا بننے کا خیال پیدا ہوتا ہے ۔

اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرنے کے بعد یہ حکم دیا تھا کہ تم مصر کے بادشاہ فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے یہ بات سمجھاؤ کہ غرور کرنا اور اللہ کے بندوں کو ناحق ستانا اچھی بات نہیں ۔ اس بادشاہ کے دل میں ایسا غرور آ گیا تھا کہ وہ خدا بننے کا دعویٰ کرتا تھا ۔ اس کے علاوہ دوسرا ظلم اس نے یہ کر رکھا تھا

کہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا تھا اور ان کے اوپر طرح طرح کے ستم ڈھاتا تھا۔ ان کی نسل کو ختم کرنے کے لئے ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السّلام کی اولاد کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس زمانے میں مصر کے اندر آباد ہوئے تھے جب حضرت یوسف علیہ السّلام کو اللہ نے اس ملک کی حکومت دی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے کئی معجزے دئے تھے، معجزہ اس کام کو کہتے ہیں جو خاص اللہ پاک کی طرف سے ہو۔ کوئی اور ایسا کام نہ کر سکے اور کوئی یہ بات بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ کام کس طرح ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالتے تھے تو وہ سانپ بن جاتی تھی۔ اسی طرح اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا۔

اللہ پاک نے یہ نشانیاں اس لئے دی تھیں کہ جب فرعون انہیں دیکھے گا تو یہ بات سمجھ لے گا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن اس برے آدمی نے یہ بات نہ سمجھی۔ اس نے کہا تم جادوگر ہو۔ اپنے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو بلا کر حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے کہا۔ جادوگر بھلا آپ کا مقابلہ کیا کرتے وہ

ہار گئے۔ اور نہ صرف ہار مان لی بلکہ سچے دل سے مسلمان بھی ہو گئے،
لیکن فرعون اور اس کے سرداروں کے دل پر اب بھی سچائی کا اثر نہ ہوا۔
جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ یہ ظالم بادشاہ اپنی برائیوں سے
توبہ کر کے سچا مسلمان نہ بنے گا تو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا
کہ آپ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف ہجرت کر جائیے۔
چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ یہ ایک ایسی بات تھی۔ کہ اگر فرعون کے
دل میں ذرا بھی انصاف ہوتا تو اس قوم کے لوگوں کو حضرت موسیٰؑ کے
ساتھ جانے دیتا۔ لیکن اسے تو شیطان نے بہکا رکھا تھا۔ جیسے ہی بنی
اسرائیل کے روانہ ہونے کی خبر ملی اپنے تمام سرداروں اور فوج کو ساتھ
لے کر انہیں گرفتار کرنے کے لئے چل دیا۔
اب اتفاق دیکھئے جس وقت فرعون کی فوج بنی اسرائیل کے
قریب پہنچی وہ قلزم نام کے سمندر کی مشرقی شاخ کے
کنارے پہنچ چکے تھے۔ گویا اب ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ کہ نہ آگے
بڑھ سکتے تھے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ ایسی حالت میں اللہ پاک
نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر ماریئے!
جب آپ نے ایسا کیا تو سمندر کا پانی پھٹ گیا اور بیچ میں صاف
ستھرا راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ

گئے۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سوچا جب یہ لوگ اس راستے پر چل کر دوسرے کنارے پہنچ گئے ہیں تو ہم بھی پہنچ جائیں گے لیکن یہ فوج جیسے ہی بیچ میں پہنچی پانی برابر ہوگیا اور سارے کے سارے ڈوب گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب کی نسل سے تھے آپ کے والد صاحب کا نام عمران اور والدہ صاحبہ کا نام یوکابد تھا۔

آپ کی شادی ایک اور پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ ان کا نام صفورہ تھا۔ آپ کے گھر ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام جیرسون رکھا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔

لہ ترجمان القرآن۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

مدین

مدین ایک شہر کا نام ہے، اس جگہ جو قوم آباد تھی اسے بھی اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ جگہ ملک مصر سے آٹھ منزل دور تھی اور اس علاقے میں تھی جو بحرِ قلزم کے مشرقی کنارے کی طرف ملک عرب کے شمال مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اس علاقے کے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ان لوگوں کے اندر خاص برائی یہ تھی کہ وہ جب کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتے تھے تو کم تول کر دیتے تھے۔ اللہ پاک نے یہ برائی چھوڑنے کا حکم دیا اور جب وہ لوگ باز نہ آئے تو ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

قارون

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات میں قارون کا ذکر بھی آتا ہے۔

اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تھا تو حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل ہی سے لیکن ظالم فرعون کا ساتھی بن گیا تھا۔ گویا اپنی قوم کا غدار تھا۔

اس بری اور شرم دلانے والی بات کے علاوہ اس کے اندر ایک بہت بڑی برائی یہ تھی۔ کہ وہ حد سے زیادہ کنجوس تھا۔ اللہ پاک نے اسے اتنی دولت دی تھی کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں کئی اونٹوں پر لادی جاتی تھیں لیکن اس دولت سے وہ نہ خود کوئی فائدہ اٹھاتا تھا نہ کسی اور کی مدد کرتا تھا۔

اس کو ان برائیوں کی اللہ پاک نے یہ سزا دی۔ کہ اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

سامری

حضرت موسیٰ کے حالات میں ایک اور برے آدمی سامری کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس نے یہ برائی کی تھی۔ کہ ایک موقع پر بنی اسرائیل کے کم سمجھ لوگوں کو بہکا کر سونے سے بنے ہوئے بچھڑے کے بت کی پوجا شروع کرا دی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ موسیٰؑ تو تم لوگوں کو یونہی بہکا رہے ہیں، تمہارا تو خدا یہ بچھڑا ہی ہے۔ بس اسی کی پوجا کیا کرو۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا ہے، سامری دراصل سمیری قوم کا ایک آدمی تھا۔ یہ قوم عراق کے اندر آباد تھی۔

جن لوگوں نے سامری کا کہنا مان لیا تھا۔ ان کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی۔ کہ وہ تلواریں لے کر رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے کو قتل کریں۔ اس طرح تین ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ باقی کو اللہ پاک نے معاف کر دیا۔ سامری کو سخت عذاب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ

قرآنِ حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی کئی جگہ آیا ہے۔ اللہ کے یہ سچے رسول کئی لحاظ سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کی ایک صفت تو یہ ہے کہ آپ کے اور ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا کیا تھا تیسری صفت یہ ہے کہ آپ کو بہت سے معجزے دئیے گئے تھے۔ ایک خاص معجزہ یہ تھا کہ مرے ہوئے انسان کو اللہ پاک کے حکم سے دوبارہ زندہ کر دیتے تھے۔ اور دوسرا معجزہ یہ تھا کہ جو شخص ماں کے پیٹ سے اندھا پیدا ہوا ہو وہ آپ کی دعا سے دیکھنے لگتا تھا۔ تیسرا معجزہ یہ تھا کہ جس کسی کو کوڑھ کی بیماری ہوتی تھی۔ وہ آپ کا ہاتھ لگنے سے اچھا ہو جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اللہ پاک نے آپ کو اور بھی کئی معجزے دئیے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے حضورؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے ۵۷۱ برس پہلے فلسطین کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے جس کا نام ناصریہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو عیسیٰ ناصری کہتے ہیں یہ اب سے ۱۹۶۴ سال پہلے کی بات ہے۔ جس سن کو ہم سن عیسوی کہتے ہیں۔ وہ آپ کی پیدائش کے دن سے ہی شروع ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریمؑ کے والد صاحب کا نام عمران اور والدہ صاحبہ کا نام حنہؓ تھا۔ یہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اس زمانے کے رسول حضرت ذکریہ علیہ السلام کی بیوی حضرت الیشاع، حضرت مریمؑ کی والدہ صاحبہ کی سگی بہن تھیں۔

اس زمانے میں یہ رواج تھا۔ کہ ماں باپ اپنے کسی بھی بچے کے بارے میں یہ ارادہ کر لیتے تھے کہ اسے دنیاداری کا کوئی کام نہ کرنے دیں گے۔ بلکہ یہ کسی خانقاہ کے اندر رہ کر ساری زندگی اللہ پاک کی عبادت کرے گا۔ اسے نذر ماننا کہتے تھے۔

حضرت عمران اور حضرت حنہؓ نے بھی یہی نذر مانی تھی کہ ان کے گھر جو بچہ پیدا ہو گا اُسے اللہ پاک کی عبادت کے لئے چھوڑ دیں گے۔ لیکن اللہ کی قدرت سے لڑکے کی جگہ حضرت مریمؑ پیدا

ہوئیں۔ پہلے تو وہ اس بات سے پریشان ہوئے۔ لیکن پھر حضرت ذکریاؑ کے مشورے سے انہی کی خانقاہ میں بھیج دیا اور وہاں ایک خاص جگہ بنا دی گئی۔ جس کے اندر رہ کر وہ اللہ پاک کی عبادت کرنے لگیں۔

اس عبادت خانے میں اللہ کے فرشتے ان کے لئے بے موسم کے پھل اور کھانے کی اچھی چیزیں پہنچایا کرتے تھے۔ اسی جگہ ایک فرشتہ اللہ پاک کے خاص حکم سے یہ اچھی خبر لے کر آیا۔ کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو اللہ کا رسول ہو گا۔ یہ خبر سن کر حضرت مریمؑ بہت زیادہ پریشان ہوئیں۔ انہوں نے فرمایا میرے ہاں بچہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ میری تو شادی ہی نہیں ہوئی۔ اس بات کا جواب انہیں یہ دیا گیا کہ اللہ پاک کا یہی حکم ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت آیا تو حضرت مریمؑ بیت المقدس سے ۹ میل کے فاصلے پر ساعیر نام کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں۔ اب اس جگہ کو بہت ہی مقدس خیال کیا جاتا ہے اور اس کا نام بیت اللحم ہے۔

جس زمانے میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے ملک شام پر روم کے بادشاہوں کی حکومت تھی اور ہیرودیس نام کا بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا

اس بادشاہ نے ایک یہودی سردار کو ملک شام کا گورنر بنا دیا تھا۔ جس کا نام پلاطیس یہودیہ تھا۔ یہ آدمی بڑا ہی ظالم تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کے سچے دین کی طرف بلایا تو پلاطیس آپ کا دشمن بن گیا۔ آپ کے اوپر یہ الزام لگایا کہ آپ بادشاہ کے خلاف بغاوت پھیلا رہے ہیں۔ اپنے خاص جاسوس مقرر کر کے اللہ کے اس سچے رسول کو گرفتار کرا لیا اور یونہی جھوٹا مقدمہ چلا کر یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ آپ کو صلیب پر ٹانگ کر موت کی سزا دی جائے۔ لیکن اللہ پاک کی شان نرالی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو آدمی روپے کا لالچ کر کے یہودیوں کا جاسوس بن گیا تھا۔ اس کی شکل حضرت عیسیٰ جیسی بن گئی اور یہودیوں نے اسی کو پکڑ کر صلیب پر ٹانگ دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے زندہ اور صحیح سلامت رکھا اور اپنی خاص مہربانی سے آسمان پر اٹھا لیا۔ آپ کے بارے میں ہم مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ کی امت کے خاص لوگ یعنی عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دے دی ☆

حواری

جس طرح ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوستوں اور پاس بیٹھنے والوں کو صحابی کہتے ہیں اُسی طرح ان لوگوں کو حواری کہا جاتا ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور پھر ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

عبرانی زبان میں یعنی اس زبان میں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں بولی جاتی تھی۔ حواری کے معنی شاگرد کے ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ان شاگردوں یا دوستوں کی تعداد ۱۲ تھی اور ان کے نام یہ تھے؛

(۱) پطرس۔ (۲) اندراوس۔ (۳) یعقوب بن زبدی (۴) یوحنا (۵) فلیبس۔ (۶) برشوطادس (۷) توما۔ (۸) متی العشار (۹) یعقوب

سلہ ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد

بن حلفی۔ (۱۰) لباوس۔ (۱۱) لمحان۔ (۱۲) یہوداہ سخریوطی۔
ان عزت والے لوگوں کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے۔ کہ یہ دھوبی کا کام کیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا سچا پیغام پہنچایا تو اپنا کاروبار چھوڑ کر آپ کے ساتھی بن گئے۔ حواری کے ایک معنی دھوبی بھی بتائے جاتے ہیں۔

انجیل

آپ سب جانتے ہیں آسمانی کتابیں چار ہیں (۱) توراۃ۔ (۲) زبور۔ (۳) انجیل۔ (۴) قرآن شریف۔ ان میں انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد کچھ دن تک تو یہ مقدس کتاب اصلی حالت میں رہی لیکن اس کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں نے اس کے اندر بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دیں اور بہت سی آیتیں نکال دیں۔ اس وقت انجیل کے چار نسخے ہیں:۔

(۱) متی کی انجیل (۲) یوحنا کی انجیل (۳) مرقس کی انجیل۔ (۴) لوقا کی انجیل۔

مولانا آزاد نے لکھا ہے۔ شروع کے تین سو سال تک تو انجیل کے ایک سو نسخے تھے ۳۲۵ء میں نالیسیا کے مقام پر پادریوں کی ایک کونسل بیٹھی اور انہوں نے قرعہ اندازی کے ذریعے چار نسخے چنے:۔

حضرت ہودؑ

حضرت ہود علیہ السلام وہ عزت والے رسول تھے جو قوم عاد[1] کے برے لوگوں کو سچائی کا راستہ دکھانے اور نیک بنانے کے لئے آئے تھے۔

قوم عاد کے کئی قبیلے تھے۔ ان میں ایک قبیلے کا نام خلود تھا اور یہ ہر لحاظ سے عزت والا خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قبیلے میں پیدا ہوئے تھے۔

قوم عاد کے لوگ بہت اونچے لمبے اور طاقت والے تھے حضرت ہود علیہ السلام ان سب میں خوبصورت اور رعب والے تھے۔ آپ کے چہرے کا رنگ سرخ و سپید تھا اور اس پر لمبی داڑھی بہت اچھی لگتی تھی۔

---

[1] قصص القرآن۔

حضرت ہودؑ اپنی قوم کے لوگوں کو بہت دنوں تک سمجھاتے رہے لیکن وہ اپنی برائیوں سے باز نہ آئے۔ اس پر آپ نے اللہ پاک سے دعا کی۔ کہ اے اللہ اس قوم کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ نیک لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا۔ اللہ پاک نے آپ کی یہ دعا قبول کر لی۔

آپ کی بد دعا سے ان لوگوں پر پہلے قحط کا عذاب نازل ہوا۔ کافی دنوں تک بارش نہ ہوئی جس سے ان کے باغ اور کھیت سوکھ گئے۔ اس کے بعد آٹھ دن اور سات راتیں برابر نہایت تیز ہوا چلتی رہی۔ یہ ہوا ایسی ٹھنڈی اور سناٹے والی تھی۔ کہ پوری قوم ہلاک ہو گئی۔ ان کے گھر گر گئے اور بڑے بڑے مضبوط قلعے زمین کا پیوند بن گئے۔

حضرت صالحؑ

قرآن شریف میں حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔
صالح کے معنی بہت نیک اور شریف ہیں۔ آپ کو اللہ پاک نے اس قوم کی ہدایت کے لئے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا جسے تاریخ میں قوم ثمود کہا جاتا ہے۔

اس قوم کے لوگوں نے آپ سے یہ کہا۔ کہ اگر سڑک پر پڑے ہوئے اس پتھر میں سے زندہ اونٹنی نکل آئے تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور پھر اسی طریقے پر چلیں گے جو آپ بتاتے ہیں۔ اپنی قوم کے لوگوں کی یہ بات سن کر حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ پاک سے دعا کی اور پتھر میں سے زندہ اونٹنی ظاہر ہوئی جس نے باہر آ کر بچہ بھی دیا۔

اللہ پاک کی قدرت کی یہ ایک بہت بڑی نشانی تھی لیکن

یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ جندہ بن عمرو نام کا ایک سردار اور اس کے ساتھ چند آدمی اور مسلمان ہوئے۔ باقی کی قوم انہی برائیوں میں پھنسی رہی۔

معجزے کے طور پر ظاہر ہونے والی یہ اونٹنی عام اونٹوں سے بہت بڑی تھی۔ جو اونٹ اُسے دیکھتے تھے ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔ اس ڈر کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ حکم دیا۔ کہ چراگاہ میں ایک دن یہ اونٹنی چرا کرے اور ایک دن دوسرے اونٹ اپنا پیٹ بھرا کریں۔ اسی طرح پانی کے چشمے پر ایک دن اس کی باری مقرر کر دی گئی۔ ایک دن دوسرے اونٹوں کی۔

اس بات سے قوم ثمود کے بے ایمان لوگوں کو تکلیف پہنچی تو وہ اس اونٹنی کو مارنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ ان بُرے لوگوں میں مدوق نام کی ایک عورت سب سے آگے تھی۔ اس نے مصدع نام کے ایک آدمی کو یہ لالچ دیا کہ اگر تو اس اونٹنی کو مار ڈالے تو میں تیرے ساتھ شادی کر لوں گی۔ یہ بُرا آدمی اس بری عورت کے بہکانے میں آ گیا اور اس نے اللہ کی اس اونٹنی کو مار ڈالا۔

اس حرکت پر اللہ پاک نے اس قوم پر ہوا کے طوفان کا

عذاب نازل کیا اور وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔ صرف ایک آدمی بچا جو حج کے لئے گیا ہوا تھا۔ لیکن یہ بھی جب کعبہ شریف کی حد سے باہر آیا تو ہلاک ہو گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو اللہ پاک نے بچا لیا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ قوم کے ہلاک ہونے کے بعد یہ لوگ ملک فلسطین کی طرف آ گئے اور اس جگہ آباد ہوئے جسے آج کل مکہ[1] کہا جاتا ہے۔

---

[1] قصص الانبیاء۔

حضرت سلیمانؑ

اللہ پاک نے بڑے آدمیوں کو اچھا بنانے کے لئے جو رسول بھیجے ان میں کچھ تو ایسے تھے۔ جنہوں نے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف بلایا۔ بری باتوں سے روکا اور اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے دنیا میں کوئی حکومت قائم نہیں کی۔ جیسے حضرت ایوبؑ، حضرت یعقوبؑ۔ حضرت نوحؑ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام۔ لیکن اللہ کے کچھ رسول ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی طرف بلانے کے ساتھ حکومتیں بھی قائم کیں یعنی یہ عزت والے بزرگ اللہ پاک کے رسول بھی تھے اور بادشاہ بھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے گروہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اپنا رسول بنانے کے ساتھ اللہ پاک نے آپ کو بہت

بڑی حکومت بھی عطا کی تھی۔ بلکہ آپ کی سلطنت ایسی تھی۔ کہ انسانوں میں کسی اور کو نہیں دی گئی۔ انسانوں کے علاوہ آپ کا حکم جنوں پرندوں اور ہوا وغیرہ پر بھی چلتا تھا اور آپ پرندوں کی بولی بھی سمجھتے تھے۔ اللہ پاک نے ان سب باتوں کا ذکر قرآن شریف میں کیا ہے۔ اس لئے ان کے اندر کسی قسم کا شک نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد صاحب حضرت داؤدؑ تھے اور وہ بھی رسول ہونے کے ساتھ ایک بہت بڑے ملک کے بادشاہ تھے۔

حضرت سلیمانؑ کی والدہ صاحبہ کا نام حضرت بطشا تھا۔ آپ اپنے بھائیوں اور بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی جب اپنے والد صاحب کی جگہ حکومت کے تخت پر بیٹھے اور چالیس سال تک ایسے انصاف اور ایسی شان کے ساتھ حکومت کرتے رہے کہ کسی بے گناہ آدمی کو ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔ ۵۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال[1] ہوا۔

---

[1] قصص القرآن

حضرت بلقیس

حضرت سلیمان علیہ السّلام کے حالات میں حضرت بلقیس کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ عزت والی خاتون آپ کی بیوی تھیں۔

حضرت بلقیس سبا کی ملکہ تھیں اور حضرت سلیمان کے سمجھانے سے مسلمان ہوئی تھیں۔ قرآنِ حکیم میں ان کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ لکھا ہے حضرت سلیمان کے ساتھ رہنے والا ایک پرندہ ہُدہُد ایک دن اُڑتا اُڑتا اس ملک کی طرف جا نکلا جہاں حضرت بلقیس حکومت کرتی تھیں۔ اس پرندے نے آپ کو اور آپ کے دربار والوں کو سورج کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو یہ بات حضرت سلیمانؑ کو بتائی اور اللہ کے اس حکم کے مطابق کہ جو لوگ گمراہ ہوں انہیں سیدھے راستے کی طرف بلایا جائے۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کے نام ایک خط لکھا

کہ کفر اور شرک کا یہ راستہ چھوڑ کر اسلام کے اچھے طریقے پر چلو۔
اِس خط کے جواب میں خود حضرت بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار
میں آئیں اور آپ نے اسلام کی اچھی باتوں کو سچے دل سے
مان لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے ساتھ شادی
کر لی اور اِس طرح وہ ایک چھوٹی سی ریاست کی ملکہ کی جگہ ایک
بہت بڑے بادشاہ اور اللہ کے سچّے رسول کی بیگم بن گئیں۔

تاریخ لکھنے والے عالموں نے لکھا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے
جس ملک کو آج کل یمن کہا جاتا ہے پرانے زمانے میں اس کا نام
ملک سبا تھا۔ اس میں بسنے والی قوم کا نام بھی سبا ہی تھا۔ حضرت
بلقیس اسی ملک پر حکومت کرتی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا
پایۂ تخت ملک شام تھا۔

حضرت لوطؑ

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا اور اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک انسانوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے جتنے رسول دنیا میں آئے ان کی گنتی ایک لاکھ اور چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ان عزت والے انسانوں میں سے بہت سوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام ایسے ہی ایک رسول ہیں۔

تاریخ لکھنے والے عالموں نے یہ بات بتائی ہے کہ حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور انہوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی۔ جب آپ اور بڑے ہوئے اور اللہ پاک نے اپنا رسول بنایا تو اس علاقے کے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کی ہدایت کی گئی جسے آجکل شرق اردن کہا جاتا ہے[1]۔ اس

---

[1] قصص القرآن

زمانے میں اِس علاقے میں سدوم نام کا ایک بڑا شہر آباد تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اِسی شہر میں رہتے تھے۔

اِس علاقے میں جو قوم آباد تھی اس کے اندر بہت سی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اللہ کے اِس عزت والے رسول نے بہت زیادہ کوشش کی۔ کہ وہ لوگ اپنی ان بری عادتوں کو چھوڑ دیں لیکن انہوں نے اچھا راستہ اختیار نہ کیا۔ جب حضرت لوطؑ بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے دعا کی یا اللہ ان برے لوگوں کی نسل کو مٹا دے تاکہ زمین پر اچھے لوگ آباد ہوں اور اللہ پاک نے اپنے رسول کی یہ دعا قبول فرمالی۔

عذاب کے فرشتوں کو لڑکوں کی شکل میں بھیجا گیا۔ اس بری قوم کے لوگوں نے ان فرشتوں کی بھی توہین کرنی چاہی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ یہ لوگ سچ مچ حد سے زیادہ برے بن گئے ہیں۔

اِس واقعے کے بعد اِس علاقے پر بہت سخت عذاب نازل کیا گیا۔ زلزلہ آیا اور آسمان سے پتھر برسے۔ اِس عذاب سے زمین چار سو میٹر دھنس گئی۔

بحرِ لوط یا بحرِ میت نام کا سمندر اسی جگہ ہے۔

حضرت ایوبؑ

قرآن شریف میں ایک عزت والے رسول حضرت ایوب علیہ السلام کا حال بھی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ کے اس خاص بندے کی بڑائی یہ ہے کہ حد سے زیادہ تکلیف اور مصیبت کے اندر بھی انہوں نے خدا کی عبادت کی۔ صبر کیا اور یہ یقین رکھا۔ کہ ان کی تکلیف ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جائے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار شیطان نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ خدا کے جو بندے اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں وہ صرف اس صورت میں نیکی کرتے ہیں جب آرام کی زندگی گذار رہے ہوں۔ انسانوں کی نسل کے اس دشمن کی بات کو غلط ثابت کرنے کے لیئے اللہ پاک نے اپنے رسول حضرت ایوب علیہ السلام کو کچھ دنوں کے لیئے آزمائش میں ڈالا۔ ان کے تمام گھر والے ان سے جدا ہو گئے۔ جس قدر مال و دولت

تھا رسب چھن گیا اور وہ کوڑھ جیسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گئے،
ایسی بری حالت میں صرف ان کی وفادار بیوی ان کے ساتھ رہیں۔
آپ سب جانتے ہی ہیں۔ آزمائش کا زمانہ تو بہت تھوڑا ہوتا
ہے۔ حضرت ایوبؑ اس آزمائش میں پورے اترے یعنی وہ ایسی تکلیف
کے دنوں میں بھی اللہ کا شکر کرتے رہے تو اللہ پاک نے انکی ساری
تکلیفیں دور کر دیں اور ان کی حالت پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی۔
قصص القرآن کے مصنف مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے
لکھا ہے۔ حضرت ایوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق
رکھتے ہیں۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے درمیان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا
نام زارح تھا۔ پیدائش کے سن کا اندازہ ۱۵۰۰ ق م کیا جاتا ہے۔
حضرت ایوبؑ کتنے دن آزمائش میں مبتلا رہے اس کے بارے
میں دو باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ عرصہ صرف سات سال
کا ہے۔ دوسری روایت میں تیرہ سال بتایا گیا ہے۔ بہرحال ان دونوں
میں سے کوئی سی بات بھی ٹھیک ہو آخر آپ کی حالت بالکل ٹھیک
ہو گئی اور پہلے سے بھی زیادہ اچھے ہو گئے۔
آپ کی جس بیوی نے مصیبت کے دنوں میں ساتھ دیا تھا اس

کا نام رحیمہ تھا۔ اس عزت والی خاتون کے علاوہ چار بیویاں اور تھیں۔ بچوں کی گنتی نو تھی۔ جن میں چار لڑکے تھے اور پانچ لڑکیاں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں سات بیٹے اور تین بیٹیاں لکھی ہیں۔

آپ کے مال و دولت کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ سات ہزار بھیڑیں۔ تین ہزار اونٹ۔ ایک ہزار بیل اور پانچ سو گدھے آپ کی ملکیت میں تھے۔

آپ ایک سو چالیس سال تک زندہ رہے اور آزمائش کے سات سال نکال کر آپ کی پوری زندگی نہایت اطمینان اور آرام کے ساتھ بسر ہوئی۔

حضرت الیاسؑ

اللہ کے سچے رسول حضرت الیاسؑ کا ذکر بھی قرآن شریف میں آیا ہے۔ ان کے بارے میں عام لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سمندروں اور دریاؤں میں سفر کرنے والا کوئی مسافر جب اپنا راستہ بھول جاتا ہے یا اس پر کسی طرح کی مصیبت آتی ہے تو اللہ پاک کے حکم سے حضرت الیاس علیہ السلام اس کی امداد کرتے ہیں۔

یہ بات ٹھیک ہو یا نہ ہو لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ حضرت الیاسؑ ایک عزت والے رسول تھے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی اس اچھی کوشش میں صرف کی کہ لوگ برائی کا راستہ چھوڑ کر نیک بن جائیں۔

توریت میں حضرت الیاسؑ کا نام ایلیاہ پیغمبر بتایا گیا ہے۔ تحقیق کرنے والے عالموں کا خیال یہ ہے کہ آپ حضرت موسیٰؑ

کے بھائی حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے۔ اور بنی اسرائیل کے اس بزرگ رسول کی چھ پشتوں کے بعد پیدا ہوئے۔

ملک شام کے نقشے میں جس جگہ شہر بعلبک دکھایا گیا ہے یہی علاقہ آپ کا وطن تھا اور آپ نے اس جگہ کے لوگوں کو اللہ پاک کے سچے راستے کی طرف بلایا۔ اس زمانے میں اس جگہ کے رہنے والے بعل[1] نام کے بت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اس بت کی پوجا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے زمانے سے ہی کرتے چلے آرہے تھے۔

عربی زبان میں بعل کے معنی بزرگ اور معبود، یعنی جس کی عبادت کی جائے رہیں۔ دوسری قوموں کے لوگوں نے اس بت کے اور اور نام بھی رکھ چھوڑے تھے۔ مثال کے طور پر ملک شام میں رہنے والے ان قبیلوں کے لوگ جو سامی نسل سے تھے۔ اس بت کو بعل بریث اور بعل صفور کہتے تھے۔ عفر شالی کہلائے والے قبیلے کے لوگوں نے اس کا نام بعل یوب رکھا تھا۔ کلدانی قبیلے۔ ہیل۔ بیلوس اور بطوس کہتے تھے۔

---

[1] قصص القرآن۔

یہ بت ایک خوبصورت عورت کا تھا۔ اسے سونے سے بنایا گیا تھا۔ اور اس کی اونچائی بیس گز تھی۔ اس کے چار منہ تھے جس مندر میں یہ بت رکھا ہوا تھا۔ اس کی دیکھ بھال کرنے کے لئے چار سو نوکر ہر وقت موجود رہتے تھے۔

اور رسولوں کی طرح حضرت الیاسؑ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ اس بت کی پوجا چھوڑ کر خالص اللہ پاک کو پوجا کرو اور برائی کے تمام کام چھوڑ کر نیک اور شریف بن جاؤ۔

حضرت داؤدؑ

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور بادشاہ اور اللہ کے سچے رسول حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ہیں۔ آپ بھی انہی کی طرح بہت بڑے بادشاہ اور خدا کے رسول تھے۔

عالموں نے آپ کے بارے میں یہ بات بتائی ہے۔ کہ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہوذا کی نسل سے تھے۔ چودہ پشتوں کے بعد آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی شروع کی زندگی بالکل معمولی تھی۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور سب سے کمزور تھے۔ آپ کا قد چھوٹا اور جسم پتلا دبلا تھا۔ اس لیے آپ کے والد صاحب ایشاء نے آپ کو بکریاں چرانے کے کام پر مقرر کر رکھا تھا۔ لیکن جب اللہ پاک کسی کو عزت دینا چاہتا ہے تو اسے کوئی نہیں دبا سکتا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ عمالقہ نام کی طاقت والی قوم کے ساتھ بنی اسرائیل کی لڑائی ہوئی۔ عمالقہ کے بادشاہ کا نام جالوت تھا اور وہ بہت زیادہ اونچا لمبا اور مضبوط آدمی تھا۔ بنی اسرائیل کے سردار حضرت طالوت تھے۔

کمزور اور چھوٹے قد والے ہونے کی وجہ سے حضرت داؤدؑ کو اس لڑائی میں شریک نہیں کیا گیا تھا لیکن ایک دن آپ لڑائی کا تماشہ دیکھنے کے لئے اس جگہ چلے گئے جہاں جنگ ہو رہی تھی اور یہ دیکھ کر کہ بنی اسرائیل کے تمام سپاہیوں پر جالوت کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے سردار حضرت طالوت سے اس بات کی اجازت مانگی کہ جالوت سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں نکلیں۔ انہوں نے اجازت دے دی تو آپ نے گوپھن سے پتھر مار کر جالوت کو قتل کر دیا اور یہ شاندار کامیابی حاصل ہونے کے بعد حضرت طالوت نے اپنی بیٹی میکال کے ساتھ آپ کی شادی کر دی اور حکومت کے کاموں میں اپنا ساتھی بنا لیا۔

حضرت طالوت کے بعد آپ بنی اسرائیل کی چھوٹی سی سلطنت کے بادشاہ بن گئے اور اپنی قابلیت اور بہادری سے اسے ایک بہت بڑی سلطنت بنا دیا۔ یہ سلطنت خلیج عقبہ سے فرات کے تمام علاقوں اور دمشق

سے حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔

مشہور آسمانی کتاب زبور حضرت داؤد علیہ السلام ہی پر نازل ہوئی زبور کے معنی پارے یا ٹکڑے کے ہیں۔ یہ کتاب اصل میں توراۃ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس کی خاص خوبی یہ ہے کہ یہ نثر کی جگہ نظم میں ہے۔

اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک خاص معجزہ یہ دیا تھا۔ کہ آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ لڑائی میں پہننے کے لئے لوہے کی کڑیوں سے خاص قسم کا جو کرتہ بنایا جاتا ہے اور جسے زرہ کہتے ہیں۔ وہ حضرت داؤدؑ ہی کی ایجاد ہے۔

حضرت داؤدؑ نے چالیس[1] سال تک حکومت کی اور لوگوں کو سچائی کے راستے پر چلاتے رہے۔ سو سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار شہر صیہون میں بتایا جاتا ہے۔

---

[1] قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

ہیکل سلیمانی

اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بہت بڑا عبادت خانہ بنوایا تھا جسکا نام ہیکل سلیمان تھا۔ یہ عبادت خانہ حضرت سلیمانؑ نے جنوں کی مدد سے بنوایا تھا۔ یہ بات تو آپ کو معلوم ہے نا کہ اللہ کے اس عزت والے رسول کی حکومت جنوں پر بھی تھی۔ جن ایک ایسی مخلوق ہے جسے اللہ پاک نے آگ سے پیدا کیا ہے۔ یہ مخلوق ہماری دنیا ہی میں رہتی ہے لیکن ہمیں نظر نہیں آتی۔

حضرت سلیمانؑ نے یہ بہت بڑی عبادت گاہ موریا نام کے پہاڑ پر بنوائی تھی۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ اس پہاڑ کے چاروں طرف بھرتی ڈلوا کر ایک بہت بڑا میدان تیار کرایا گیا۔ یعنی اس اونچے پہاڑ کے چاروں طرف اتنی مٹی اور پتھر وغیرہ ڈالے گئے کہ اس کی چوٹی کے برابر تک پہنچ گئے۔ اس بات کی نشانی کے لیئے کہ اس جگہ ایک بڑا پہاڑ تھا اس کی چوٹی کا ایک بڑا پتھر کھلا رہنے دیا گیا۔

عربی زبان بولنے والے لوگ اس پتھر کو الصخرا کہتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کرنا چاہا تھا۔

یہ مقدس عمارت بہت دن تک اپنی اصلی حالت میں قائم رہی۔ لیکن قدرت کے قانون کے مطابق اس میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ بابلیہ کے بادشاہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کی حکومت پر چڑھائی کی تو اس مقدس عمارت کو جلا دیا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیدا ہونے سے ۴۳ سال پہلے جوڈیا نام کی ریاست کے بادشاہ ہیروڈیس نے جس کا لقب بزرگ ہوا تھا۔ اس عمارت کو پھر بنوایا۔ لیکن اس کے صرف چند سال بعد ہی روم کے دسویں قیصر ٹیٹس نے اُسے پھر برباد کر دیا۔

بیت المقدس اسی عمارت کا نام ہے اور یہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں سب کے نزدیک مقدس ہے۔ سب اس کا ادب کرتے ہیں۔

لہ تمدن عرب۔ از ڈاکٹر لیبان۔

مسجدِ عمر رضؓ

مسجدِ عمر رضؓ ملک فلسطین میں ہے اور ان بڑی عمارتوں میں گنی جاتی ہے۔ جن سے مسلمانوں کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

یورپ کے عالموں کا خیال یہ ہے۔ کہ یہ مسجد اسی جگہ بنی ہوئی ہے۔ جہاں حضرت سلیمانؑ نے عبادت کرنے کے لیے ہیکل بنوائی تھی۔ مسجدِ عمر ایک بہت بڑے مربعہ چبوترے پر بنی ہوئی ہے جو زمین سے سوا تین گز اونچا ہے۔ اس چبوترے پر پہنچنے کے لئے کئی زینے بنائے گئے ہیں۔ اور ہر زینے کے اوپر نہایت خوش وضع نوکدار محرابیں بنائی گئی ہیں۔ یہ تمام محرابیں مرمر نام کے قیمتی پتھر سے بنائی گئی ہیں جو کئی رنگ کا ہے۔

مسجد کے علاوہ اس چبوترے پر جسے حرم کہتے ہیں۔ کئی چیزیں اور بھی بنی ہوئی ہیں۔ ان چیزوں میں وعظ کہنے والے عالموں کے

لئے ممبر اور نماز پڑھنے والے نمازیوں کے مصلے خاص ہیں۔

مسجد عمرؓ کی شکل ہشت پہلو ہے۔ ہر طرف سے داخل ہونے کے لئے دروازے ہیں، اندر کی طرف دیواروں پر سنگ مرمر کی ٹائل کاری ہے۔ یعنی سجاوٹ کے لئے یہ پتھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ جڑا گیا ہے۔ اس سے اوپر چینی مٹی کی پھولدار تختیاں لگائی گئی ہیں۔ یہ تختیاں حد سے زیادہ خوشنما اور اچھے نگوں والی ہیں۔ جب سورج نکلتا ہے تو ساری مسجد جگمگا اٹھتی ہے۔ یہ قیمتی تختیاں، ایران کے ایک بادشاہ سلیمان شکوہ[1] نے ۱۵۶۱ء میں لگوائی تھیں۔

تاریخ لکھنے والے عالموں کی تحقیق کے مطابق یہ عمارت ۱۷ھ میں بنائی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر اس کا نام اس وجہ سے رکھا گیا۔ کہ ملک فلسطین آپ ہی کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا تھا اور بیت المقدس کے عیسائی راہب نے اس عزت والے شہر کی کنجیاں آپ ہی کے ہاتھ میں دی تھیں۔

اسی راہب نے جو شہر کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا یہ شرط پیش کی تھی۔ کہ اگر مسلمانوں کا خلیفہ یہاں آجائے تو بغیر لڑائی کے

---

[1] ڈاکٹر لیبان۔

شہر کی کنجیاں وے دوں گا۔ اور اسلامی فوجوں کے سردار حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم نے یہ شرط منظور کر لی تھی۔

عرب کے رہنے والے مسجد عمر کی جگہ اس عمارت کو قبۃ الصخرا ر بھی کہتے ہیں۔ قبہ بہت بڑے گنبد کو کہتے ہیں۔ اور یہ نام غالباً اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس ساری عمارت پر ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ گنبد کے نچلے حصے میں ایک چوڑا ابھار بنا یا گیا ہے جس پر قرآن شریف کی وہ آیات لکھی گئی ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس گنبد کی سجاوٹ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ ۱۰۲۲ء میں یہ گنبد دوبارہ بنایا گیا تھا۔

سنگ الصخرا ر کی لمبائی اٹھارہ گز ہے اور یہ مسجد کے فرش سے دو گز کے قریب اونچا ہے۔ چاروں طرف کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ اس کے گرد دو احاطے ہیں۔ اوپر کی طرف ایک بڑا طاق ہے۔ جسے حضرت سلیمانؑ کی محراب کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے حضرت سلیمانؑ اس کے اندر عبادت کیا کرتے تھے۔

قرطبہ کی جامع مسجد

مسلمانوں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں جو بڑی بڑی تاریخی عمارتیں بنائی ہیں ان میں ایک قرطبہ کی جامع مسجد بھی ہے۔ اب تو اِس مسجد کی شان ویسی نہیں رہی کیونکہ مسلمانوں کے بعد جن عیسائیوں نے اندلس میں حکومت قائم کی تھی انہوں نے اس کی ساری خوبصورتی کو برباد کر دیا تھا۔

اندلس ایک مشہور ملک ہے جو براعظم یورپ میں ہے۔ مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے جو ۹۳ھ میں قائم ہوئی تھی یہاں عیسائیوں کی حکومت تھی اور ان سے پہلے بت پرست راج کرتے تھے تاریخ میں انہیں رومانی کہا گیا ہے۔ قرطبہ کی جامع مسجد کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ جس جگہ یہ مسجد بنائی گئی بہت پرانے زمانے میں یہاں رومانوی بت پرستوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔ آگے چل کر جب عیسائیوں نے حکومت قائم کی تو اپنے ایک شہید ونجنت

کے نام پر اس بت خانے کو گرجا بنا لیا اور اس کا نام شنت بخنت[1] رکھا۔

جب عیسائیوں اور مسلمانوں کی لڑائی میں مسلمان جیت گئے اور اسلامی فوج قرطبہ میں داخل ہوئی تو یہ شرط طے ہوئی کہ اس تاریخی عبادت خانے کا آدھا حصہ عیسائیوں کے قبضے میں رہے گا اور آدھے حصے پر مسلمان قبضہ کر لیں گے۔ اس سمجھوتے کے مطابق مسلمانوں نے یہاں ایک مسجد بنائی۔

۱۷۱ھ میں جب امیر عبدالرحمن اندلس کے بادشاہ بنے تو ایک سمجھوتے کے ذریعے باقی کا آدھا حصہ بھی خرید لیا گیا۔ اور ایک بہت بڑی مسجد بنائی گئی۔ اس مسجد کا نقشہ دمشق کے رہنے والے ایک انجینئر نے بنایا اور یہ پانچ سال بعد امیر عبدالرحمن کے بیٹے امیر ہشام کے زمانے میں بن کر تیار ہوئی۔ اس عقل مند انجینئر نے مسجد کا نقشہ ایسا عمدہ بنایا تھا اور اسے ایسی کاریگری سے تیار کیا گیا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

تاریخ کی کتابوں میں اس مسجد کی خوبصورتی کا جو حال لکھا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ اس پر آسانی کے ساتھ یقین بھی نہیں آتا۔ اندلس

---

[1] اندلس کا تاریخی جغرافیہ۔ مترجمہ مولوی عنایت اللہ۔

کا تاریخی جغرافیہ نام کی کتاب کے مصنف نے لکھا ہے۔ اس مسجد کے آگے پیچھے آٹھ درجے تھے۔ اور ہر درجہ تین تین منزل کی محرابوں والے اونچے ستون سے بنایا گیا تھا۔ یہ محرابیں ایسی کاریگری سے بنائی گئی تھیں۔ کہ الگ الگ بھی تھیں اور مل کر چھت کو سہارا بھی دیتی تھیں۔ بالکل یوں نظر آتی تھیں جیسے سنگ مرمر کا ماہی جال بن دیا گیا ہے۔

چھت کی اونچائی ۳۵ فٹ تھی۔ آخری دیوار میں اندر کو بڑھا ہوا ایک گنبد تھا اور اس گنبد کے نیچے ایک بہت ہی خوبصورت محراب تھی جس میں امام کھڑا ہوتا تھا۔

اس مسجد کے چاروں طرف ایک مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جس میں ایسے پشتے اور برج بنائے گئے تھے جیسے قلعوں کی فصیلوں میں ہوتے ہیں۔

جنوب کی طرف ایک اونچا مینار تھا جس کے اوپر کھڑا ہو کر مؤذن اذان دیتا تھا۔ تین طرف نہایت خوشنما دالان تھے۔ ان دالانوں کے درمیان میں وضو کرنے کے لیے حوض تھا۔

امیر عبدالرحمن اول اور امیر ہشام کے بعد اندلس پر جن بادشاہوں نے حکومت کی۔ وہ اپنے اپنے زمانے میں اس مسجد کی شان برابر بڑھاتے رہے اور ان کوششوں سے یہ اتنی بڑی اور ایسی خوب صورت

ہوگئی۔ کہ اس کا شمار دنیا کی سب سے شاندار عمارتوں میں ہونے لگا۔

شروع میں صرف گیارہ گیارہ محرابیں بنائی گئی تھیں۔ جو دس دس ستونوں پر قائم تھیں۔ بعد میں ان کی تعداد ۲۹ ہوگئی۔ ایک مینار بھی اور بنایا گیا جو بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس مینار کی اونچائی ۷۴ فٹ تھی۔ اوپر ایک چھجا بنایا گیا تھا پھر ستونوں کے اوپر ایک برج تھا برج کے اوپر ایک کلس تھا جس پر تین لٹو لگے ہوئے تھے۔ ان بڑے بڑے لٹوؤں میں ایک چاندی کا اور دو سونے کے تھے۔ ان لٹوؤں کے اوپر سونے کی چھ پنکھڑیوں والا سوسن کا ایک پھول تھا۔

مینار پر چڑھنے کے لئے ساتھ ساتھ دو زینے بنائے گئے تھے۔ ہر زینے میں ۱۰۷ سیڑھیاں تھیں۔

سب سے آخیر میں اندلس کے جس بادشاہ نے اس مسجد کو بڑھایا اس کا نام منصور حاجب ہے۔ اس نے نئے دالان اور نئی محرابیں بنوا کر اسے بہت ہی بڑا کر دیا اور اس کی سجاوٹ بھی بہت زیادہ کر دی۔ اب ستونوں کی گنتی ۱۴۱۷ ہوگئی اور ان سب کو سونے اور جواہرات سے سجایا گیا۔ عمارتوں میں سونے کے پانی سے جو پھول بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اسے میناکاری کہتے ہیں اور ان پھولوں کو اور خوبصورت بنانے کے لئے جو قیمتی پتھر جڑے جاتے ہیں اُسے پچی کاری کہا جاتا ہے۔

منصور حاجب کے زمانے میں یہ مسجد لمبائی میں ۶۲۰ فٹ اور چوڑائی میں ۴۴۰ فٹ تھی۔ رات کے وقت روشنی کرنے کے لئے اس کے اندر ۲۸۰ جھاڑ لگائے گئے تھے۔ جن کے اندر ۷۴۲۵ چراغ جلتے تھے۔ ان چراغوں کو روشن رکھنے کے لئے جو تیل خرچ ہوتا تھا اس کا اندازہ ۱۳۴ من سالانہ کیا گیا ہے۔ رمضان شریف کے دنوں میں جو تیل جلایا جاتا تھا وہ اس کے علاوہ تھا۔

ساڑھے چار سو برس تک اپنی بہار دکھانے اور اللہ کو پوجنے والے مسلمانوں کی سجدہ گاہ بنی رہنے کے بعد ۱۲۳۶ء میں یہ شاندار مسجد عیسائیوں کے قبضے میں چلی گئی اور انہوں نے اس کی حیثیت خراب کر دی۔

آج کل اس مسجد کو پرانے زمانے کی ایک یادگار کے طور پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اب ویسی شان تو باقی نہیں۔ لیکن پھر بھی جو حصے باقی رہ گئے ہیں انہیں دیکھ کر اس کی خوبصورتی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

الحمراء

اندلس کی اسلامی عمارتوں میں الحمراء کا ذکر بھی خاص طور پر آتا ہے۔ یہ یادگار عمارت اندلس کے ایک پرانے شہر غرناطہ کے پاس ہے۔

تاریخ لکھنے والوں نے بتایا ہے کہ پرانے زمانے میں اس جگہ ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ یہ بات آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ قلعے ایسی جگہ بنائے جاتے تھے جہاں زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے۔ اگر کوئی دشمن حملہ بھی کرے تو آسانی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ہونے کے علاوہ اس قلعے کی حفاظت کا ایک سامان یہ تھا کہ حدّرا نام کے دریا نے اسے اپنی گود میں لے رکھا تھا یعنی یہ دریا کچھ اس طرح بہتا تھا کہ یہ قلعہ بیچ میں آگیا تھا۔

اس قلعے کا نام الحمرا رکیوں رکھا گیا! اس کی وجہ ایک تو یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کی عمارتوں میں جو مسالہ لگایا گیا تھا۔ اس کا رنگ لال تھا۔ عربی زبان میں لال رنگ کو احمر کہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے جس خاندان نے اس قلعے کے اندر شاندار محل بنوائے اور جنت کو شرما دینے والے باغوں سے اسے سجایا اسے بنی احمر کہا جاتا ہے۔ اس شاہی خاندان کے ایک بادشاہ محمد بن الاحمر نے اس کے اندر خاص محل بنوائے تھے۔

بہت زیادہ زمانہ گذر جانے اور ملک میں بڑے بڑے انقلاب آنے کی وجہ سے الحمرا، کی خوبصورتی باقی نہیں رہ سکی۔ کچھ کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں اور عقل والے لوگ انہی سے اس جگہ کی شان کا اندازہ لگاتے ہیں ؛

مدینۃُ الزّہرہ

اندلس کے مسلمانوں کی یادگار چیزوں میں مدینۃ الزہرہ کا نام بھی آتا ہے۔ عربی زبان میں مدینہ رہنے کی جگہ یا بستی کو کہتے ہیں، اس لحاظ سے اِس کا مطلب زہرہ کی بستی ہوا۔

یہ ایک شہر تھا جو قرطبہ نام کے بڑے شہر کے پاس آباد کیا گیا تھا اور اس کے اندر صرف شاہی خاندان کے لوگ اور سرکاری محکموں میں کام کرنے والے رہتے تھے۔

اندلس کے مشہور خلیفہ الناصر نے یہ بستی ۳۲۵ھ میں آباد کرائی تھی۔ اس کے اندر جو یادگار محل تھا اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ بادشاہ کی ایک کنیز نے جس کا نام زہرہ تھا مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ مسلمان قیدیوں کو آزاد کرانے کے اچھے کام میں خرچ کی جائے۔ لیکن جب عیسائی حکومتوں

سے معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ ان کے قید خانوں میں ایک بھی مسلمان قیدی نہیں ہے۔

جب اس طرف سے پورا پورا اطمینان ہو گیا تو ایک اور کنیز کے مشورے سے بادشاہ نے اس روپے سے ایک یادگار محل بنوایا اور اس کا نام زہرہ کے نام پر مدینۃ الزہرہ رکھا۔

شاہی خاندان کے رہنے کے لیے اس شہر میں جو محلات کھڑی گئی تھی وہ چالیس سال کے اندر مکمل ہوئی تھی۔ اس زمانے میں یہ بستی ساتھ[1] فرلانگ لمبی اور کچھ کم پانچ فرلانگ چوڑی تھی اور اس کے محل اور باغ دیکھنے کے قابل تھے۔

عالموں نے لکھا ہے خلیفہ الناصر کے وقت میں جتنی بار بھی مسلمانوں کی فوج اس بستی سے نکلی کامیاب ہو کر لوٹی اور اس کے محلوں میں جو ترکیب بھی سوچی گئی ضرور پوری ہوئی ۔

---

[1] اندلس کا تاریخی جغرافیہ

مسجد ایا صوفیہ

جامع ایا صوفیہ ترکی کے مشہور شہر استنبول کی ایک بہت ہی شاندار اور مشہور مسجد ہے کہتے ہیں پہلے اِس جگہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا گرجا گھر تھا۔

ترکی کی مسجدیں عام طور پر بہت زیادہ خوشنما اور صاف ستھری ہیں۔ اِن میں جامع ایا صوفیہ کو اونچی درجہ حاصل ہے۔ اِس مسجد کی شان و شوکت کا اندازہ اِس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ ہے۔ چھت کی اونچائی ۱۸۰ فٹ ہے۔ جن ستونوں پر چھت قائم کی گئی ہے ان کی گنتی ۱۷۰ ہے اور وہ سب سنگِ سماق اور سنگِ رخام سے تراشے گئے ہیں۔ یہ دونوں پتھر بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ اس مسجد کا بڑا دروازہ تانبے کا ہے۔

طُور پہاڑ

مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات میں طور پہاڑ کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان عزت والے رسول نے اسی پہاڑ کے قریب سب سے پہلے اللہ پاک کے نور کی جھلک دیکھی تھی اور اس کے اوپر جاکر آپ اللہ پاک سے باتیں کرتے تھے۔

جس جگہ یہ پہاڑ ہے اسے قرآن حکیم میں مقدس وادی (وادیٔ طویٰ) کہا گیا ہے اور اس کی شان کا صرف اس ایک بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ یہاں تشریف لائے تھے تو آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے جوتے اتار کر آئیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اس پہاڑ کی قسم بھی کھائی ہے۔

طور پہاڑ کو کوہِ سینا بھی کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ ملک شام کے اندر ہے۔ پرانے زمانے میں یہ علاقہ عرب ہی کا ایک حصہ تھا۔ اور اسے جزیرہ نمائے ملیا کہتے تھے۔

آسمانی کتاب توراۃ میں اِس پہاڑ کا نام ادومیہ بتایا گیا ہے بہت پرانے زمانے میں اس علاقے کے اندر مدیانہ، عمالقہ اور قنیطیہ نام کی قومیں آباد رہی تھیں۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کے بادشاہ فرعون کی غلامی سے آزاد کرانے کے بعد اپنے ساتھ ملک شام لائے تو انہوں نے قوم عمالقہ کو ہرا کر یہاں اپنی حکومت قائم کی ۔

بنی اسرائیل

عزت والے رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دوسرے حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے گھر حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ بھی اللہ کے رسول اور اپنی قوم کے عزت والے سردار تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا۔ اسرا کے معنی غلام اور ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ اس طرح عبرانی زبان میں اس نام کا مطلب اللہ کا غلام یا عبداللہ ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنی دو ماموں زاد بہنوں لیہہ اور راحیل سے شادی کی تھی۔ اور ان دونوں بیویوں سے ان کے گھر بارہ بچے پیدا ہوئے تھے۔ ان سب کی اولاد کو بنی اسرائیل یعنی اسرائیل کی اولاد کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب کے بارے میں ایک یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے زلفا اور بلہا نام کی دو اور عورتوں سے بھی شادی کی تھی اور ان سے بھی اولادیں ہوئی تھیں۔

قصص القرآن میں مولانا حفظ الرحمٰن سہاروی نے آپ کی اولاد اور ان کی ماؤں کا حال یوں لکھا ہے:

لیہ سے (۱) راوبین (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) ویاکر (۶) زدلوبون اور راحیل سے (۱) حضرت یوسف علیہ السلام (۲) حضرت بنیامین۔

زلفا سے (۱) جاد (۲) رشید۔

بلہا سے (۱) دان۔ (۲) لفتان۔

حضرت یعقوبؑ نے ۱۴۷ سال عمر پائی۔

تیہ کا میدان

بنی اسرائیل یعنی اس قوم کے ذکر میں جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی غلامی سے نجات دلائی تھی یہ بات آتی ہے کہ ملک مصر سے نکلنے کے بعد اس قوم کے لوگ چالیس سال تک تیہ کے میدان میں بھٹکتے پھرے۔

اللہ پاک نے ان لوگوں کو یہ سزا اس وجہ سے دی۔ کہ وہ اپنی ان بری عادتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جو غلامی کے دنوں میں ان کے اندر پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے سچے ہمدرد اور بھلا چاہنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں جو حکم بھی دیتے تھے۔ اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ بلکہ الٹی سیدھی باتیں بنانے لگتے تھے۔ ایک بار حضرت موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ عمالقہ قوم کے ظالم اور کافر لوگوں سے لڑ کر ان کے شہر پہ قبضہ کر لو تو کہنے لگے ہم تو اس جگہ بیٹھے ہیں۔ تو اور تیرا خدا جا کر لڑ!

اسی طرح ایک بار انہیں یہ حکم دیا گیا۔ کہ جس شہر کے اندر تم داخل ہو رہے ہو اللہ پاک سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ان برے خیال کے لوگوں نے کیا کیا آپس میں چہلیں کرتے ہوئے اور ہمیں گیہوں دے، ہمیں گیہوں دے کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اللہ پاک ان سے ناراض ہو گیا اور اپنی رحمت کا سایہ اٹھا لیا۔ نہ کھانے کو ملا نہ پینے کو چالیس برس تک پریشان حال پھرتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو لوگ آئے تھے ان کی تعداد چھ لاکھ تھی اور وہ الگ الگ بارہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قلزم نام کے سمندر کی ایک شاخ کو پار کرکے یہ لوگ ملک عرب کے اس حصے میں آئے تھے جسے آجکل ملک شام اور ملک فلسطین کہتے ہیں۔

شور سین۔ وادی سینا یا تیہ کا میدان اسی علاقے کے ایک حصے کا نام تھا۔ وادی سینا کو تیہ اس وجہ سے کہا گیا۔ کہ بنی اسرائیل یہاں بھٹکتے پھرے تھے۔ عربی زبان میں راہ سے بھٹکے ہوئے کو تاہ فلاۃ کہتے ہیں[1] تیہ کا لفظ اسی سے بنا۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

جبل الطارق

اسپین - اندلس یا ہسپانیہ براعظم یورپ کا ایک مشہور ملک ہے ۹۱ھ میں مسلمان سپہ سالار حضرت طارق بن زیاد نے صرف چند ہزار سپاہی ساتھ لے کر اس ملک کو فتح کیا تھا۔ اس وقت ہسپانیہ پر لرزلق یا راڈرک نامی بادشاہ حکومت کرتا تھا۔

حضرت طارق نے سب سے پہلے اپنی فوج کو جس جگہ اتارا تھا وہ ان کے نام پر جبل الطارق یعنی طارق کا پہاڑ مشہور ہوگئی اور یہ نام اب تک چلا آرہا ہے۔ انگریزی زبان میں اسے جبرالٹر کہتے ہیں۔

یہ ملک اسپین کے جنوب مشرقی صوبے قادس میں ایک جزیرہ نما ہے۔ اور سوائے اس بات کے کہ حضرت طارقؒ بن زیاد نے اسپین پر چڑھائی کی ترتیب سے پہلے اس جگہ قدم رکھا تھا۔ اس جگہ میں اور کوئی خوبی نہیں ہے۔ بالکل چھوٹی سی جگہ ہے جو شمال اور جنوب کی طرف سے تین میل اور مشرق ، مغرب کی طرف سے ایک میل چوڑی ہے جس پہاڑی

کو جبل الطارق کہتے ہیں۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کی اونچائی صرف ۱۳۹۶ فٹ ہے۔

جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا اس جگہ کا یہ نام حضرت طارقؒ بن زیاد کے حملے کے وقت رکھا گیا تھا۔ اس سے پہلے عرب کے رہنے والے اس بندرگاہ کو مرس السنجرہ کہتے تھے۔

پہاڑی کے مغربی جانب ایک خلیج ہے۔ اس خلیج کے کنارے پر ایک مینارہ تھا جسے ہرکولیس کا مینار کہتے تھے۔ ہرکولیس فنیقی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شہر کا مالک ہیں۔ جس جگہ یہ مینارہ تھا پرانے زمانے میں اسے کوہ کالپی کہتے تھے۔

سمندر کی جو پٹی براعظم افریقہ اور براعظم یورپ کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ پرانے زمانے کے عرب اسے بحرزقاق کہتے تھے۔ یہ آبی پٹی کل ۲۵ میل چوڑی ہے۔

لہ اندلس کا جغرافیہ۔ مترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب۔

وادیٔ لکہ

جس جگہ حضرت طارقؒ بن زیاد نے راڈرک کو شکست دی تھی اسے تاریخ میں وادیٔ لکہ کہا گیا ہے۔ آج کل اس جگہ کو گواڈلیپٹ کہتے ہیں۔

اس وادی میں ایک بہت بڑی جھیل ہے جسے اس زمانے کے عرب البحیرہ کہتے تھے اور اب لاگونہ دی لا جنڈا کہا جاتا ہے۔ حضرت طارقؒ نے خاص اسی جھیل کے کنارے فتح پائی تھی اور ایک روایت کے مطابق راڈرک اس کے اندر ڈوب کر مرا تھا۔

قربانی

بڑی عید کے موقع پر آپ نے یہ دیکھا ہوگا۔ کہ امیر مسلمان اللہ کے نام پر جانور قربان کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ بہت پرانے زمانے سے اس کا رواج چلا آرہا ہے اور ہر ایسی قوم کے لوگ کسی نہ کسی رنگ میں قربانی دیتے چلے آرہے ہیں جو خدا کو مانتی ہیں۔

قربانی کا تصور اصل میں یہ ہے۔ کہ اگر ضرورت آپڑے تو ہم اللہ کے راستے میں اپنی قیمتی سے قیمتی چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کردیں گے۔

بہت پرانے زمانے میں قربانی دینے کے کئی طریقے جاری تھے۔ ان طریقوں کا حال فرانس کے ایک عالم ڈاکٹر لیبان نے خوب سمجھا کر لکھا ہے۔ ہم اپنے لفظوں میں مختصر کرکے یہ حال

لکھتے ہیں :

سوختنی قربانی

اِس قربانی کو علاء کہتے تھے۔ کوئی بے عیب جانور لے کر قربانی دینے والا اس کے سر پر ہاتھ رکھتا تھا۔ اور پھر ذبح کر کے اس کی کھال اتار دیتا تھا اور گوشت کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔ کاہن یعنی سب سے بڑا مذہبی رہنما اس جانور کا خون اکٹھا کر کے مذبح کے چاروں طرف چھڑک دیتا تھا اور گوشت کو آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔

خطاء:

جب کسی شخص سے کوئی بہت بڑا گناہ ہو جاتا تھا تو وہ یہ قربانی دیتا تھا۔ وہ قربانیاں یا کوئی بے عیب جانور لے کر اسے ذبح کیا جاتا تھا اور انگلی سے اس کا خون عبادت گاہ کے پردے پر چھڑکا جاتا تھا۔ باقی خون مذبح کی جڑ میں بھر دیا جاتا تھا۔ مذبح اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں جانور کو ذبح کیا جائے۔

اِس قربانی میں جانور کا سارا گوشت نہیں جلاتے تھے۔ بلکہ صرف کلیجی، گردے اور چربی جلائی جاتی تھی۔

شلم:

یہ سلامتی اور برکت کی قربانی تھی۔ اس میں جانوروں کے علاوہ

کھیتوں کی پیداوار بھی شامل کی جاتی تھی۔ جانور کو ذبح کر کے اس کا خون مذبح پر چھڑکا جاتا تھا اور گوشت کھا لیا جاتا تھا صرف چربی جلائی جاتی تھی۔

جو غلّہ اس جانور کے ساتھ رکھا جاتا تھا اس کی روغنی روٹیاں پکا کر کاہن کو دی جاتی تھیں۔

ان طریقوں کے علاوہ قربانی کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جس جانور کو قربان کرنا ہوتا تھا۔ کاہن اس کے سر پر ہاتھ رکھتا تھا اور پھر اُسے جنگل میں آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایسی قربانی بستی یا قبیلے کے تمام لوگوں کی طرف سے سمجھی جاتی تھی۔ سب یقین کر لیتے تھے کہ ہمارے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔

اسلامی سکّے اور پیمانے

کوئی اسلامی کتاب پڑھیں تو بعض اوقات پرانے زمانے کے سکوں، وزن کے پیمانوں اور فاصلہ معلوم کرنے کے نشانوں کے نام آتے ہیں۔ اگر ان کے بارے میں ٹھیک ٹھیک حال معلوم نہ ہو تو پورا مضمون سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ننھے بچّوں کے فائدے کے خیال سے ہم ان کا کچھ حال لکھتے ہیں:

خروار:

یہ غلے اور کھجوروں وغیرہ کے وزن کا اندازہ کرنے کے لئے ایک پیمانہ ہے۔ آج کل کے حساب سے ایک خروار ہمارے آٹھ من کے برابر ہوتا ہے۔

وسق:

یہ بھی ایک پیمانہ ہے اور ہمارے تین من سوا نو سیر کے برابر ہوتا ہے۔

صاع:

یہ پیمانہ دو سیر، دو چھٹانک دو تولہ اور چار ماشے کے برابر ہوتا ہے۔ میٹھی عید کے موقع پر صدقۂ فطر اسی پیمانے کے حساب سے دیا جاتا ہے۔

رطل:

یہ عربی پیمانہ ہمارے آدھ سیر کے برابر ہوتا ہے۔

حلاب:

پانی کے وزن کا اندازہ کرنے کے لئے ایک خاص برتن ہوتا ہے جس کے اندر آٹھ رطل پانی آتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی پیمانہ ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں دودھ کا اندازہ کرنے کے لئے گڑوی ہوتی ہے جس کے اندر سوا سیر دودھ آتا ہے۔

مثقال:

سونا اور دوسری قیمتی چیزیں تولنے کا ایک باٹ جو ایک سو جو کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

سکّے

دینار

سونے کا سکّہ ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں اشرفی ہوتی تھی۔ اصل میں یہ لاطینی زبان کا لفظ تھا جس کا مطلب دس تھا اور جو لفظ ڈینی سے بنا تھا۔

یہ سکّہ سب سے پہلے روم کے بادشاہ، قیصر روم نے ۲۱۹ ق م میں جاری کیا تھا۔ یہ پہلے چاندی کا تھا۔ ۲۰۰ ق م میں سونے کا بنایا گیا۔ اس کا وزن ایک مثقال مقرر ہوا۔

عرب عالموں کا خیال یہ ہے۔ کہ یہ نام لفظ دنّار سے بنا ہے۔
سنہ ھ میں اس سکے کی قیمت ہمارے چھ روپیوں کے برابر تھی۔

درہم:

درہم چاندی کا سکّہ ہے۔ اس کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا

ہے۔ کہ یہ یونانی زبان کا نام ہے۔ بہرحال اب تو اسے خالص عربی سکہ سمجھنا چاہئے۔ پہلے یہ چھوہارے کی گٹھلی جیسا ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی شکل مدور ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس پر حروف لکھوائے۔ ایک طرف کلمۂ طیبہ نقش کیا جاتا تھا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک درہم آدھے مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا وزن ۷/۱۰ مثقال مقرر کیا ہے ؂

فاصلے

منزل۔ منزل کا لفظ عام طور پر اردو زبان میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا صحیح اندازہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا۔ پرانے زمانے میں ایک منزل کا اندازہ بارہ میل تھا۔

مرحلہ۔ مرحلہ بھی منزل کی طرح عام استعمال ہونے والا لفظ ہے اور اس کے بارے میں بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ پرانے زمانے کے عرب میں ایک مرحلہ چھ یا سات میل کا گنا جاتا تھا اور اس کا اندازہ یہ تھا۔ کہ ایک خچر ایک دن میں جتنا فاصلہ طے کرے وہ ایک مرحلہ ہے۔

فرسخ: فرسخ پرانے زمانے کے عراق کا ایک پیمانہ ہے۔ اس زمانے میں عراق کو بابلیہ کہتے تھے۔ اس کو فارسی زبان میں فرسنگ کہا گیا۔ ایک عام نقارے کی آواز جتنی دور تک جا سکتی تھی اس فاصلے کو ایک فرسخ کہا جاتا تھا اور یہ عام طور پر تین میل ہوتا تھا۔

قومِ عاد

جو بچے اللہ کی سچی کتاب قرآن حکیم پڑھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے اِس مقدس کتاب میں بہت سی قوموں کے نام آتے ہیں۔ اِن ہی قوموں میں ایک قوم عاد نام کی بھی ہے۔

اِس قوم کے بارے میں اللہ پاک نے یہ بات بتائی ہے کہ جب سچائی کا پیغام لے آنے والے رسول حضرت ہود علیہ السلام ان لوگوں کو سمجھا سمجھا کر ہار گئے اور انہوں نے اپنے برے کام نہ چھوڑے تو اسے تباہ کر دیا گیا۔ جن بستیوں میں یہ لوگ آباد تھے ان میں زور کا زلزلہ آیا اور وہ سب کی سب برباد ہو گئیں۔

یہ قوم حضرت عیسٰی علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے ملک مصر اور ملک عراق پر حکومت کرتی تھی۔ اِس زمانے میں جو زبانیں بولی جاتی تھیں ان میں اِس قوم کو چوپان[1] اور ہیک سوس کہتے تھے جس کے معنے

---

[1] فرانس کا مورخ مرسیو سیبولیہ۔

چرواہے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔

عبرانی زبان میں یعنی اس زبان میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بولی جاتی تھی۔ عاد کے معنے بلند اور مشہور کے ہیں۔ عربی زبان میں عاد کے معنے سنگِ میل کے ہیں۔ سنگِ میل اس پتھر کو کہتے ہیں جو میلوں کا فاصلہ بتانے کے لیئے سڑک کے کنارے گاڑے جاتے ہیں۔

اِس قوم کو اس نام سے کیوں پکارا گیا! اس کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے۔ کہ پرانے زمانے میں عاد نام کا ایک سردار تھا۔ جب اس کی اولاد بڑھی اور اس نے مصر اور عراق کے علاقوں میں اپنی حکومت قائم کی تو اسے بھی اسی نام سے پکارا گیا۔

عاد مشہور پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان سے تھا۔ اس کے نسب کا سلسلہ یہ ہے:

عاد بن عوص، ابن ارم، بن سام۔ بن حضرت نوح علیہ السلام

۱؎ ارض القرآن۔

قومِ ثمود

حضرت ہود علیہ السلام کے حال میں آپ یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ قوم عاد کے ہلاک ہونے کے بعد آپ اس علاقے میں آباد ہو گئے تھے جسے آج کل حضرموت کہا جاتا ہے اور یہاں آپ کی اولاد نے خوب ترقی کی تھی۔

یہی لوگ تھے جنہیں آگے چل کر قوم ثمود کہا گیا۔ یہ لوگ کافی دنوں تک بالکل ٹھیک رہے۔ نہ انہوں نے بتوں کی پوجا کی نہ کسی کی اور برائی میں پھنسے لیکن اس کے بعد قریب قریب وہ ساری برائیاں اختیار کر لیں جو ان سے پہلی قوم عاد کے لوگ کرتے تھے۔

جب ان لوگوں کی یہ حالت ہو گئی تو اللہ پاک نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اللہ رب العزت نے اپنی خاص مہربانی سے ان لوگوں کو جو عزت اور طاقت دی تھی اس کا شکر ادا کرنے کی جگہ وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ دنیا میں ہم ایسا

کوئی نہیں اور ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ایک سچے خدا کو چھوڑ کر انہوں نے بتوں کی پوجا کرنی شروع کر دی اور دوسری برائیوں میں پھنس گئے۔

قوم ثمود کے لوگ بہت امیر اور طاقت والے تھے۔ ان میں کاریگری بھی بہت تھی۔ پہاڑوں کو تراش کر ایسے خوبصورت اور آرام دینے والے گھر بناتے تھے۔ کہ جو دیکھتا تھا حیران ہوتا تھا۔ شاید اپنی اس عقلمندی کی وجہ سے ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ ہم ہمیشہ اسی طرح حکومت کرتے رہیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کافی دن تک سمجھایا۔ ان کے کہنے کے مطابق اللہ پاک نے یہ معجزہ بھی دکھایا۔ کہ ایک پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ لیکن یہ لوگ سیدھے راستے پر نہ آئے۔ بلکہ الٹا یہ گناہ کیا کہ اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ جو معجزے کے طور پر ظاہر ہوئی تھی۔ اور جس کے بارے میں انہیں مختلف تاکید کی گئی تھی۔ کہ اسے ذرا سی تکلیف بھی نہ پہنچائیں۔

اس بات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان پر چنگھاڑ یعنی بہت ہی اونچی آواز کا عذاب نازل کیا گیا اور وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔

عرب کے لوگ ان قوموں کو امم بائدہ یعنی ہلاک ہو جانے والی قومیں کہتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ یہ

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے سات سو سال بعد آباد ہوئی تھیں۔

قوم عاد حجاز اور شام کے درمیانی علاقے میں آباد تھی۔ آجکل اس جگہ کو فج المناقۃ کہتے ہیں اور یہاں ان کی آبادیوں کے کھنڈر اس زمانے تک نظر آتے تھے۔ جب ہمارے حضورؐ دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہو سکتا ہے ان کی کوئی نشانی آج کل بھی موجود ہو۔

بنی ادوم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں یہ بات آتی ہے کہ جس وقت آپ نے اپنی قوم کو مصر کے ظالم بادشاہ فرعون کی غلامی سے آزاد کرالیا اور اپنے ساتھ لے کر ملک شام گئے تو وہاں ایک ایسی قوم کی حکومت تھی۔ جو نیکی کا راستہ چھوڑ چکی تھی۔ اور ان کی بری عادتوں کی وجہ سے اللہ پاک کی منشا یہ تھی کہ اس کی جگہ اس علاقے میں بنی اسرائیل کی حکومت قائم کی جائے۔

اس قوم کا نام بنی ادوم یا عمالقہ کی قوم تھا۔ قد کاٹھ کے لحاظ سے یہ لوگ خوب مضبوط اور اونچے لمبے تھے۔ اور اپنے آپ کو بہت زیادہ طاقت والا خیال کرتے تھے۔ لیکن جب اللہ پاک نے انہیں مٹانا چاہا تو کہیں نام و نشان بھی نہ رہا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے ان کی حکومت صرف دو سو برس قائم رہی۔

آج کل کے نقشوں میں جو علاقہ عمانؑ اور حضر موت کے درمیان

۱؎ قصص القرآن

مغرب کی طرف دکھایا جاتا ہے اور جس کے اندر سامبر نام کے پہاڑ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ قوم اس علاقے میں آباد تھی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعے میں جو یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ان کے پڑوس میں رہنے والی ایک قوم کے طاقت ور لوگ آپ کے جانوروں کو ہانک کر لے گئے اور ان کی حفاظت کرنے والے ملازموں کو قتل کر گئے۔ وہ غالباً یہی لوگ تھے۔

یہ بات چاہے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس قوم کے لوگ طاقت کے نشے میں بہک گئے تھے اور انہوں نے برائی کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ پاک نے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

بنی ادوم کی سلطنت کے بارے میں یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیدا ہونے سے ۱۷۰۰ برس پہلے قائم ہوئی تھی اور بنی اسرائیل نے اس کا خاتمہ کیا۔

بربر قوم

یورپ کے مشہور ملک اندلس یا اسپین کو فتح کرنے والے مسلمان سپہ سالار حضرت طارق بن زیاد کے حالات میں یہ بات بیان کی جاتی ہے۔ کہ وہ افریقہ میں بسنے والی بربر نام کی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

جس علاقے کا نام آج کل طرابلس اور مراکش وغیرہ ہے پرانے زمانے کے عرب اس علاقے کو افریقیہ کہتے تھے۔ بربر قوم اس علاقے میں آباد ہے۔ یہ قوم یہاں کب سے آباد ہے اور کہاں سے آکر اس جگہ آباد ہوئی۔ اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاریخ لکھنے والے عالموں نے صرف اندازہ لگایا ہے۔ کہ بہت پرانے زمانے میں کچھ لوگ فرات اور دجلہ کی وادی یعنی عراق سے آکر یہاں آباد ہو گئے۔ اور کچھ یورپ سے ہجرت کر کے آ گئے اور ان کے

میل جول سے یہ بہادر قوم پیدا ہوئی جسے بربر کہا جاتا ہے۔

مسلمان ہونے سے پہلے یہ لوگ اور قوموں کی طرح بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے کہیں کہیں آگ اور چاند ستاروں کو پوجنے کا رواج بھی تھا۔ لیکن جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے جہالت کی یہ ساری باتیں چھوڑ دیں۔ اور اسلام کی ترقی کے لئے بڑے بڑے کام کئے۔

مشہور فرانسیسی عالم ڈاکٹر لیبان نے اس قوم کے لوگوں کا حلیہ یہ لکھا ہے:

"اس قوم کے عام لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں بڑے بڑے اور بھدے[1] ہوتے ہیں۔ چہرہ چپٹا۔ دہانے کے پاس پھیلا ہوا ٹھوڑی دبی ہوئی۔ ناک چھوٹی اور آگے سے کسی قدر اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ ان میں ابھی تک کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کے بال بھورے اور آنکھیں نیلے رنگ کی ہیں۔

شہروں میں بسنے والے لوگ عربی زبان بولتے ہیں۔ بربری زبان میں بھی عربی زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اس قوم کے لوگ حد سے زیادہ محنتی، بہادر اور سمجھدار ہوتے

---

[1] تمدن عرب۔ مترجم سید علی بلگرامی۔

ہیں۔ اپنی ضرورت کی تقریباً ساری چیزیں خود بناتے ہیں اور ان سے بہت صفائی اور سلیقہ ظاہر ہوتا ہے۔"

بربری زبان میں خاندان کو فروبہ کہتے ہیں۔ کئی خاندانوں کو ملا کر ایک قبیلہ بنتا ہے جس کے سب سے بڑے حاکم کو امین کہا جاتا ہے۔ یہ عہدہ خاندانی نہیں ہوتا بلکہ ایک امین کے مرنے کے بعد اس شخص کو امین چنا جاتا ہے جو سب سے زیادہ بہادر اور عقل والا ہوتا ہے۔

بربر قوم بہت سے قبیلوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان میں طوارق اور شلوبہ خاص طور پر طاقت ور ہیں۔

بربر قوم کے علاقے میں تقریباً ہر بستی ایک آزاد سلطنت ہوتی ہے، باہر کا کوئی آدمی ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔

ڈاکٹر نیبان نے لکھا ہے۔ اس قوم میں صرف ایک ہی شادی کا رواج ہے۔ بربر عورتیں بہت زیادہ محنتی ہوتی ہیں۔ کام کاج میں مردوں سے کم نہیں ہوتیں۔

سبا

تحقیق کرنے والے عالموں نے سبا کے بارے میں دو باتیں بتائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ نام اس علاقے کا تھا جس پر حضرت بلقیس حکومت کرتی تھیں۔ اور یہ علاقہ وہی تھا جسے آج کل یمن کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ نام اُس قوم کا تھا جس کی سردار حضرت بلقیس تھیں۔ ان عزت والے اور قابل عالموں نے لکھا ہے۔ پرانے زمانے میں عرب کے رہنے والے لوگ دو بڑے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک قبیلے کا نام بنی عدنان تھا اور دوسرے کا بنی قحطان۔ بنی قحطان کی ایک شاخ کا نام سبا تھا۔ یہ لوگ ایک بڑے سردار عبدالشمس کی نسل سے تھے۔ سبا عبدالشمس کا لقب تھا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیدا ہونے سے گیارہ سو برس

پہلے عبدالشمس نے اِس سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ اِس سلطنت کے پایۂ تخت کا نام مارب تھا۔

یہ سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے مقابلے میں بالکل چھوٹی تھی۔ لیکن اپنی جگہ کافی بڑی تھی۔ اس کی سرحدیں ایک طرف عرب کے علاقے حضرموت تک اور دوسری طرف افریقہ کے علاقے اذینیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔[1]

یہ ملک خوب ہرا بھرا اور رونق والا تھا ایک بہت بڑا بند باندھ کر پہاڑی چشموں کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ پانی کھیتوں اور باغوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ اِس بند کا نام مارب کا بند تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا حال لکھا ہے۔ تاریخ لکھنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب اِس ملک کے رہنے والوں نے برائی کا راستہ اختیار کر لیا۔ تو اللہ پاک نے اسی بند کو جو ان کے لئے عمدہ فصلیں تیار کرتا تھا۔ تباہی کا سبب بنا دیا۔ چوہے کی قسم کے ایک جانور گھونس نے اس بند کے اندر ایک سوراخ کر دیا اور پھر ایسا سیلاب آیا کہ ان کے سارے باغ۔ تمام کھیت اور بستیاں تباہ ہو گئیں۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔

ملک حبش کے رہنے والوں کا خیال ہے وہ حضرت بلقیس کی نسل سے ہیں۔ وہ اِس عزت والی خاتون کا نام ماکدہ بتاتے ہیں اب یہ بات اللہ پاک کو معلوم ہے کہ انکا خیال کہاں تک ٹھیک ہے!

ملک یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعا سے تیرہ میل کے فاصلے پر مارب کے کھنڈر آج کل بھی نظر آتے ہیں۔ اِس جگہ ایک چھوٹا سا قصبہ بھی آباد ہے۔

مغل قوم

برصغیر ہند و پاک پر مسلمان قوم نے تقریباً نو سو برس حکومت کی ہے۔ اس لمبے عرصے میں مختلف مسلمان قوموں کے لوگ بادشاہت کرتے رہے۔ آخری زمانے میں جس خاندان کی حکومت تھی اسے مغل قوم کہتے ہیں۔

اِس قوم کے لوگ کہاں سے آئے اور ان کو اس نام سے کیوں پکارا جاتا ہے! اس کے بارے میں ہم آپ کو کچھ باتیں بتاتے ہیں۔

اِس قوم کا پہلا وطن روس کا علاقہ سائبیریا[1] تھا۔ اُس زمانے میں ان لوگوں کو سنگ سوئی سے کہتے تھے۔ بعد میں اُسے سیتھین ہن اور ہیونگ بھی کہا گیا ہے اور آگے چل کر جب ان لوگوں کی نسل

---

[1] تیمور۔ از مسٹر ہیرلڈ لیمب۔

بڑھی اور یہ اپنے اصل وطن سے نکل کر اور علاقوں میں پھیلے تو ان کی ایک شاخ مغل کہلائی۔

مغل کے معنی بہادر لوگ ہیں۔ اس لفظ کے ایک معنی چاندی کے لوگ بھی بتائے جاتے ہیں اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ یہ خوب گورے رنگ کے تھے۔

چنگیز خاں ایک مشہور مغل سردار ہو گذرا ہے۔ اس کے زمانے میں مغل قوم بیس قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر قبیلہ اپنی جگہ بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ چنگیز نے ان سب قبیلوں کو اکٹھا کیا اور ان کے بہادر نوجوانوں کو ساتھ لے کر نئے ملک فتح کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

اس زمانے میں مغل قوم حد سے زیادہ وحشی تھی اور اس کا سردار چنگیز خاں بھی بہت زیادہ ظالم تھا۔ یہ لوگ سورج کو خدا مان کر اس کی پوجا کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم کو جائز سمجھتے تھے۔

چنگیز خاں نے بہت سے اسلامی ملکوں پر حملہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا لیکن اللہ پاک کی شان دیکھئے اسی چنگیز خاں کا پوتا مسلمان ہو گیا اور پھر اس بہادر قوم کی وجہ سے اسلام کو بہت زیادہ طاقت حاصل ہوئی۔

تاتاری

تاتاری اصل میں مغل قوم ہی کے ایک خاندان کا نام ہے، یہ لوگ مغلوں کے اصل وطن سے مشرق کی طرف رہتے تھے اور شروع میں بہت کمزور اور گنتی میں کم تھے۔

ان کے ایک سردار تاتور نے ان کی ترقی کے لئے کوشش کی اور اس کی کوششوں سے یہ چھوٹا سا قبیلہ خوب طاقت والا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ وسط ایشیا میں زندگی گذارنے والے تمام خانہ بدوش قبیلوں کو اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ خانہ بدوش ان لوگوں کو کہتے ہیں جو باقاعدہ گاؤں اور شہر آباد کر کے نہیں رہتے بلکہ اپنے جانوروں پر سامان لادے جگہ جگہ پھرتے رہتے ہیں۔ چین کے رہنے والے لوگ انہیں تاتار کہتے تھے۔

۱۳۰۰ھ میں جب مغل قوم نے بہت زیادہ طاقت حاصل کر لی تو یہ قبیلہ بھی اسی قوم میں شامل ہو گیا۔ اس کا اپنا الگ نام باقی نہ رہا۔

ترک قوم

تاتاریوں کی طرح ترک قوم کا تعلق بھی مغلوں ہی سے بتایا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ایک انسانی بچے کو بھیڑیے کی مادہ نے اپنا دودھ پلاکر پرورش کیا اور یہ اُسی کی نسل ہے جو مغل، تاتاری اور ترک کہلائی۔

شروع زمانے میں کوئی سی بات بھی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج کل کے زمانے میں ترک دنیا کی شریف ترین قوم مانے جاتے ہیں۔ اسلام کی ترقی اور حفاظت کے کاموں میں اِس قوم کے بہادر نوجوانوں نے بہت زیادہ حصہ لیا ہے اور بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ دنیا میں عزت حاصل کرنے اور ترقی پانے کے سلسلے میں بھی ترکوں کا درجہ بہت اونچا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب یورپ کے

بہت بڑے حصّے پر اس قوم کی حکومت تھی۔

امیر تمور نامی کتاب کے مصنف مسٹر ہیرلڈ لیمب نے لکھا ہے۔ ۵۰۰ء میں ہیونگ نو قبیلے کی ایک شاخ نے الگ ہو کر صحرائے گوبی اور ملک چین کے درمیان کے علاقے میں رہنا شروع کیا اور آگے چل کر یہی قبیلہ ترک کہلایا۔

ترک کے معنی خود کے ہیں۔ دوسرے معنی حکمران ہیں مسلمان ہونے سے پہلے ترکوں کے جھنڈے پر بھیڑئیے کے سر کا نشان ہوتا تھا۔ جسے وہ تُرغ تُغ کہتے تھے۔ یہ نشان ان کے ایک بہادر سردار کن خاقان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا جسے بھیڑ یا سردار کہا جاتا تھا۔

پرانے زمانے میں ترک اپنے بہادر نوجوانوں کو بگا تر۔ شہزادیوں کو خاتون اور سرداروں کو خاخان کہتے تھے۔ اس زمانے میں یہ لوگ کپڑے کا لباس استعمال نہ کرتے تھے بلکہ جانوروں اور بڑی مچھلیوں کی کھالیں پہنتے تھے۔

ترکوں کا سب سے مشہور قبیلہ عثمانی کہلاتا ہے۔ اسی قبیلے کے بہادر مسلمان بادشاہ، محمد اوّل نے ۸۵۷ھ میں یورپ کا مشہور شہر قسطنطنیہ فتح کیا تھا جو اس وقت روم کے طاقت والے بادشاہ

کا دارالحکومت تھا۔

۱۹۱۴ء کی بڑی لڑائی کے بعد ترکوں کی حالت بہت بدل گئی ان کا مذہب تو اسلام ہی ہے لیکن رہنے سہنے کے طریقے قریب قریب ویسے ہی ہو گئے ہیں جیسے یورپ والوں کے ہیں۔ ان کی حالت میں یہ نیا انقلاب غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی کوششوں سے آیا ہے جنہیں اتا ترک یعنی ترکوں کا باپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ؎

شدّاد

جب پرانے زمانے کے ظالم اور غرور کرنے والے لوگوں
کا ذکر آتا ہے تو فرعون اور نمرود کے ساتھ شداد کا نام بھی لیا جاتا ہے،
اِس ظالم بادشاہ نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ میں ہی خدا ہوں۔ میری پوجا
کیا کرو۔ کم سمجھ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس نے ایک نقلی جنت
بھی بنائی تھی۔

شداد کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے۔ کہ یہ عاد نام
کی اس قوم کا بادشاہ تھا جسے اللہ پاک نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس
قوم کے سردار کا نام بھی عاد ہی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک
کا نام شدید اور دوسرے کا شداد تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد شداد
بادشاہ بنا۔

اگر کوئی انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور لوگوں کے

حق پہچاننے تو بادشاہت اللہ پاک کا سب سے بڑا انعام ہے لیکن نیکی کے راستے پر چلنے کی جگہ شداد کے دل میں غرور پیدا ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔ میرے ملک میں جس شخص کے پاس بھی سونا ہو۔ وہ سرکاری خزانے میں جمع کرا دے۔ حد یہ ہے کہ ایک غریب عورت کے پاس سونے کا صرف ایک ہی سکہ تھا۔ اس ظالم نے وہ بھی چھین لیا۔

یہ ظلم کرنے کے علاوہ اس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ سارے ملک میں جتنی خوبصورت لڑکیاں ہیں سب اکٹھی کر لی جائیں۔ ان لڑکیوں کو وہ اپنی نقلی جنت میں حوریں بنانا چاہتا تھا۔

جب یہ سارا سامان اکٹھا ہو گیا تو ملک عرب کے ایک اچھے سے علاقے میں جنت بنانے کا حکم دیا۔ یہ ایک بہت بڑا باغ تھا جسے ان گنت روپیہ خرچ کر کے خوب سجایا گیا تھا۔

سونے چاندی کے نقلی درخت لگا کر ان کے اوپر ہیرے جواہرات کے پھول سجائے گئے تھے۔ اور بڑے بڑے خوبصورت اور شاندار محل بنا کر ان کے اندر ان مظلوم لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔ جنہیں زبردستی ان کے گھروں سے اٹھایا گیا تھا۔ لیکن اللہ پاک کا انتظام نرالا ہے۔ جب یہ باغ بن کر تیار ہوا اور ظالم شداد اس کی

سیر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ تو عین اس کے دروازے میں موت کے فرشتے نے اس کی گردن دبوچ لی۔ وہ اپنی اس جنت کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکا۔

سچ بات ہے برائی کے راستے پر چل کر کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ انسان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ سچائی اور نیکی پر ایمان لائے ؛

شیطان

قرآن شریف میں شیطان کا ذکر بھی بہت جگہ ہے۔ یہ برائی کی ایک ایسی قوت ہے جو ہر وقت اس کوشش میں لگی رہتی ہے کہ دنیا کا ہر آدمی اچھائی کا راستہ چھوڑ کر اس جیسا برا بن جائے۔

شیطان کا دوسرا نام ابلیس بھی ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے۔ کہ پہلے یہ جن تھا اور بہت اچھے خیال کا تھا۔ اس نے اللہ پاک کی اس قدر عبادت کی۔ کہ اسے فرشتوں کا درجہ دے دیا گیا بلکہ ان سے بھی بڑھا کر ان کا استاد بنا دیا گیا۔ لیکن پھر اس نے ایک ایسی غلطی کی۔ کہ اس کی ساری عزت چھن گئی اور اسے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ برا بنا دیا گیا۔ اس کا نام عزازیل تھا۔

یہ واقعہ یوں ہے۔ کہ جب اللہ پاک نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت دی یعنی اپنا نائب بنایا تو شیطان کو یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے کہا میں اسے سجدہ نہیں

کروں گا کیونکہ یہ مٹی سے بنایا گیا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں۔
یہ حد سے زیادہ بری بات تھی۔ بھلا اس سے زیادہ برائی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی اللہ پاک کا حکم نہ مانے اور اس کے سامنے غرور کرے شیطان کے اس غرور اور حکم نہ ماننے کی یہ سزا دی گئی۔ کہ اس کی ساری عزت چھین لی گئی اور آسمان سے دھکیل دیا گیا۔
یہ سزا پانے کے بعد شیطان نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ جس انسان کی وجہ سے مجھے یہ برا دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ اُسے بھی اپنے ایسا بُرا بنا کر چھوڑوں گا۔
اللہ پاک نے اس خبیث روح کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی اور صاف بتا دیا کہ جو کوئی بھی تیرا بُرا راستہ اختیار کرے گا اسے تیرے ساتھ ہی دوزخ میں جھونک دوں گا۔
قرآن حکیم میں ابلیس یا عزازیل کے علاوہ لفظ شیطان اور جگہ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ایک جگہ سرکش جنوں کو شیطان کا نام دیا گیا ہے۔ ایک جگہ قریش کے ایک ایسے سردار کو شیطان کہا گیا ہے۔ جو اپنی قوم کو مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر ابھارا کرتا تھا۔

---

[1] ترجمان القرآن ۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔

مصر اور شہر سکندریہ

سکندریہ ملک مصر کا ایک مشہور شہر ہے، مصر ایک بڑا اسلامی ملک ہے اور اس کے حالات میں سکندریہ کا ذکر عام طور پر آتا ہے۔

اس شہر کے بارے میں یہ بات بتائی جاتی ہے۔ کہ اسے یونان کے مشہور بادشاہ سکندر مقدونی کے نام پر بسایا گیا تھا جس نے ملک مصر کو فتح کر لیا تھا۔ سکندر کو مقدونی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ یونان کی ایک ریاست مقدونیہ کا حاکم تھا۔

ڈاکٹر لیبان نے لکھا ہے۔ دوسری صدی عیسوی میں یہ شہر ۵۰۶۴ گز لمبا اور ۱۹۶۷ گز چوڑا تھا۔ ایک بہت بڑی سڑک اس کے بیچوں بیچ سے گذرتی تھی اور اس سڑک کے بالکل سامنے سمندر میں ایک خوبصورت جزیرہ تھا جس کا نام میزاس تھا۔ اس جزیرے میں مرمر نام کے قیمتی پتھر سے روشنی کا ایک بہت بڑا مینار بنایا گیا تھا۔ یہ مینار ان چیزوں میں

گنا جاتا تھا۔ جنہیں دنیا کے عجائبات کہا جاتا ہے۔

شہر سکندریہ اور جزیرے کو آپس میں ملانے کے لیے ایک بہت بڑا اور مضبوط پل بنایا گیا تھا۔ اس پل کی لمبائی تیرہ سو گیارہ گز تھی۔

اوپر کی سطروں میں ہم نے آپ کو یہ بات بتائی ہے کہ مصر ایک مشہور اسلامی ملک ہے۔ یہ ملک براعظم افریقہ میں آباد ہے۔ اور دنیا کے بہت پرانے ملکوں میں گنا جاتا ہے۔ تاریخ لکھنے والوں نے لکھا ہے دنیا میں اچھی طرح زندگی گذارنے کے قاعدے قانون سب سے پہلے اسی ملک کے رہنے والوں نے بنائے اور کام میں آنے والی ضروری چیزوں کے ایجاد کرنے والے بھی یہی ہیں۔[1]

پرانے زمانے میں مصر پر جو بادشاہ حکومت کرتے تھے انہیں فرعون کہتے تھے۔

فرعونوں کی حکومت کے بعد اس ملک پر کئی اور خاندانوں کی حکومت رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے ۳۲۳ سال پہلے یعنی ۳۲۳ ق۔م میں اس ملک کو سکندر کے ایک سالار بطلیموس نے فتح کیا۔ اس خاندان کی حکومت ۲۷۲ سال تک رہی۔ قلوپطرہ اس خاندان کی آخری ملکہ تھی۔

---

[1] ڈاکٹر لیبان۔

مسلمانوں نے اس ملک کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں فتح کیا۔ اسے فتح کرنے والے سالار کا نام حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔

سنہ ۸۶۸ء میں خاندان طولون نے حکومت قائم کی۔

سنہ ۹۳۴ء سے سنہ ۹۶۹ء تک خاندان اخشیدیہ کی حکومت رہی۔

سنہ ۹۶۹ء سے خاندان بنی فاطمہ کا دور شروع ہوا۔ سنہ ۱۱۷۱ء تک رہا ان کی حکومت کا خاتمہ ان فوجی سرداروں نے کیا جن کی حیثیت پہلے غلاموں کی تھی اور جو ملوک کہلاتے ہیں۔ ان کے دو خاندان ترکمان اور چرکسی ۱۵۱۷ء تک حکومت کرتے رہے۔ اس کے بعد اس ملک پر ترکی کے سلطان کی حکومت قائم ہو گئی۔

محمد علی پاشا نامی ایک عقل والے سردار نے ترکوں سے آزادی حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ درمیان میں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور اب یہ ملک خدا کے فضل سے آزاد ہے۔ یہاں مسلمانوں کی اپنی حکومت ہے اور اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ عرب کے سارے ملک اکٹھے ہو کر ایک ملی جلی حکومت بنا لیں تاکہ آسانی کے ساتھ اپنی آزادی کی حفاظت کر سکیں۔

مسلمانوں کی ایجادیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ استعمال کی جتنی چیزیں ہیں۔ وہ سب یورپ کے رہنے والوں نے ایجاد کی ہیں۔ اس میں شک نہیں اپنی ترقی کے زمانے میں ان لوگوں نے بھی بہت سی کام کی چیزیں ایجاد کی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں کہ جو کچھ نیا بنا ہے سب ان ہی لوگوں نے بنایا ہے اور جو کچھ ایجاد ہوا ہے۔ سب انہی کے دماغوں کی پیداوار ہے۔

ہمارے کام آنے والی کتنی ہی ضروری چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں نے ایجاد کی ہیں۔ یہ بات ہم نے یونہی نہیں لکھ دی بلکہ اسے یورپ کے رہنے والے انصاف پسند عالم بھی مانتے ہیں۔ مثال کے طور پر ا۔

گھڑی سب سے پہلے مسلمانوں نے ایجاد کی۔ جس کاریگر نے

یہ حد سے زیادہ مفید چیز بنائی اس کا نام علی بن تغلب الساعاتی تھا اور وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔

خلیفہ منصور عباسی کے زمانے میں مسلمانوں نے لکھنے کے کاغذ بنانے کا سب سے پہلا کارخانہ قائم کیا۔ اس کا انتظام خلیفہ کے وزیر فضل بن یحییٰ برمکی نے کیا تھا۔

غریب لیکن ہوشیار اور محنتی طالب علموں کو وظیفے دینے کا اچھا طریقہ سب سے پہلے مسلمانوں نے شروع کیا[1]۔

---

[1] مسٹر ناپ کے حتی۔

مدرسہ نظامیہ

حضرت امام غزالی، شیخ سعدی شیرازی اور عمر خیام وغیرہ بہت سے نامور مسلمانوں کی زندگی کے حالات میں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ان بزرگوں نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی تھی۔

مدرسہ نظامیہ دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی ہے جو اعلیٰ تعلیم کے لئے قائم کی گئی تھی۔ موجودہ زمانے میں دُنیا کی ہر قوم اور ہر ملک نے بڑے بڑے دارالعلوم اور یونیورسٹیاں قائم کرائی ہیں اور بعض قوموں کو اپنے ان اداروں پر فخر ہے۔ ان کا فخر کرنا بے جا بھی نہیں لیکن اس سلسلے میں ہر انصاف پسند شخص یہ بات مانتا ہے کہ ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا فخر سب سے پہلے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

مدرسہ نظامیہ بغداد کی بنیاد اب سے تقریباً نو سو برس پہلے ۱۰۶۶ء میں ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی نے رکھی تھی اور اس کے نام کی مناسبت سے اس کا نام مدرسہ نظامیہ رکھا گیا تھا۔

اس اسلامی یونیورسٹی میں جو طالب علم پڑھنے آتے تھے ان کی رہائش، لباس، خوراک اور کتابوں وغیرہ کا سارا خرچ حکومت برداشت کرتی تھی تعلیم دینے کے لئے بڑے بڑے عالموں کو ملازم رکھا جاتا تھا اور سرکاری خزانے سے انہیں بڑی بڑی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اسلام کی تعلیم پھیلانے میں اس یونیورسٹی کا بہت حصہ ہے۔

شہر نینوہ

فرات کی وادی کا دوسرا مشہور شہر نینوہ تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر آباد تھا۔ اور بابل کی طرح بہت بڑا اور خوبصورت تھا۔

اس شہر کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے تقریباً سوا دو ہزار برس پہلے رکھی گئی تھی۔ اور یہ عراق کی ایک اور سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ جسے تاریخ میں اسیریا کی حکومت کہتے ہیں جس جگہ آج کل موصل نام کا شہر آباد ہے۔ یہ شہر اس کے قریب ہی آباد تھا۔[1]

---

[1] تمدنِ عرب

مسجد کاروین

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کی سلطنت دنیا میں سب سے بڑی تھی، کوئی قوم اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

اس زمانے میں مسلمان بادشاہوں نے مختلف ملکوں میں بڑی بڑی شاندار مسجدیں بنوائیں۔ ان میں اسپین کی جامع قرطبہ اوّل کی شاہی مسجد، لاہور کی بادشاہی مسجد کے شہر بغداد کی جامع مسجد اور مراکش کی مسجد کاروین وغیرہ خاص طور سے مشہور رہی ہیں۔

مسجد کاروین مراکش کے شہر فیض میں ہے اور اس کی شان کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر ۳۶۶ ستون ہیں جو چھت کو تھامے ہوتے ہیں۔ مسجد کے اندر داخل ہونے کے لئے اٹھارہ دروازے ہیں روشنی کے لئے جو فانوس لگایا گیا ہے۔ اس کا وزن ۱۷۶۳ پونڈ ہے اور اس کے اندر ۵۰۹ بتیاں روشن ہوتی ہیں۔ اس فانوس کے علاوہ ۷۰۰ بتیاں اور ہیں۔

محمد شریف شاہ کاتب۔ نومبر ۱۹۶۳

(21)

اسلامی معلومات

آسان زبان میں اسلامی، تاریخی،
اور مذہبی باتوں کا دلچسپ حال

نظر زیدی

احسن برادرز چوک انارکلی لاہور